جمادی الاُخریٰ ۱۴۴۱ھ
فروری ۲۰۲۰ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

❁ مسلمانوں کی سیاسی اور ملّی زندگی کے رہنما اُصول
شجاع الدین شیخ
❁ فریضہ اقامتِ دین: اَسلاف کی آراء و تعامل
عبدالسلام عمر

Feb 2020
Vol.69
Regd. CPL No.115
No.2
Monthly **Meesaq** Lahore

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 69

شمارہ : 2

جمادی الاُخریٰ 1441ھ

فروری 2020ء

فی شمارہ -/40

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون
- اندرون ملک 400 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

رابطہ برائے ادارتی امور: +92 322 4585384

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5

امریکہ ایران تنازعہ

ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن — 9

سورۃ الزخرف (آیات ۱ تا ۴۵)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم — 23

مسلمانوں کی سیاسی اور ملّی زندگی کے رہنما اصول

شجاع الدین شیخ

العُروۃُ الوثقٰی — 39

فریضۂ اقامتِ دین: اسلاف کی آراء و تعامل (۳)

عبد السّلام عمر

توضیح و تنقیح — 63

کیا حفظِ قرآن بدعت ہے؟

علامہ مفتی منیب الرحمٰن

تعلیم و تعلُّم — 73

اُمّتِ مُسلمہ کی فکری و نظریاتی خلیج میں
جدید نظامِ تعلیم کا کردار

محمد ندیم اعوان

تذکّر و تدبّر — 82

اَلْاَرْض: قرآن حکیم کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد سرشار خان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امریکہ ایران تنازعہ

گزشتہ دنوں ایران اور امریکہ تنازعہ بڑے خوفناک انداز میں منظر عام پر آیا۔ خطے میں جنگ کی فضا پیدا ہوگئی جس کی حدت عالمی سطح پر محسوس کی گئی۔ دنیا بھر میں سٹاک ایکسچینج زبردست مندی میں چلے گئے' تیل اور سونے کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ ساری صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ امریکہ نے پاسدارانِ انقلاب کی قدس فورس کے سربراہ جنرل قاسم سلیمانی کو عراق کی سرزمین پر ڈرون حملے سے ہلاک کر دیا۔ عالمی مبصروں اور عسکری تجزیہ نگاروں کے نزدیک یہ انتہائی غیر متوقع عمل تھا' اس لیے کہ جنرل قاسم سلیمانی نے گزشتہ چند سالوں میں امریکہ کے مفادات کو زور وشور سے آگے بڑھایا تھا۔ اس نے عراق میں صدام کی حکومت کو ختم کرنے اور اہلِ تشیع کو حکمران بنانے میں اہم رول ادا کیا تھا' جس سے عراق میں امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت قائم ہوگئی۔ شام میں ایران بشار الاسد کی پشت پناہی کر رہا تھا اور امریکہ اُس کے دشمنوں کی مدد کر رہا تھا' لیکن یہاں بھی امریکی نقطۂ نظر کو یوں مدد ملی کہ جب امریکہ نے دیکھا کہ روس کسی صورت بشار الاسد کو گرنے نہیں دے گا تو امریکہ کی صرف یہ دلچسپی رہ گئی کہ شام میں دونوں طرف مسلمانوں کا خون بہتا رہے اور وہ سیاسی طور پر غیر مستحکم رہے۔ امریکہ کی اس خواہش کو جنرل سلیمانی پوری تندہی سے پورا کر رہا تھا۔

جنرل قاسم سلیمانی پاکستان دشمنی میں بڑا نام رکھتا تھا اور ایک موقع پر پاکستان کو کھلم کھلا جنگ کی دھمکی بھی دے چکا تھا۔ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی امریکہ سے دوری اور چائنہ کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے جنرل سلیمانی کا یہ رول بھی امریکہ کی نظر میں پسندیدہ تھا۔ پھر قاسم سلیمانی امریکہ کے ہاتھوں قتل کیوں ہوا؟ اس لیے کہ امریکہ کو قاسم سلیمانی سے کوئی قربت یا محبت نہیں تھی' بلکہ قاسم سلیمانی جو امریکہ کے حق میں رول ادا کر رہا تھا' اُس کے قتل کی اصل وجہ یہ بنی کہ اُس نے اپنی حکومت کے ایما پر یوٹرن لے لیا۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ چند ماہ قبل جب سعودی عرب کی تیل کی

تنصیبات (آرامکو) پر حملہ ہوا تو امریکہ نے شور مچا دیا کہ حملہ ایران نے کیا ہے اور ایسے شواہد ملے کہ امریکہ نے سعودی عرب کو جوابی حملے کے لیے اُکسایا بھی تھا' لیکن سعودی عرب نے ایران کو ایک خط لکھ کر بات چیت کی دعوت دے دی۔ اس پر ایران کی حکومت نے قاسم سلیمانی کو عراق بھیجا' جہاں سے وہ شام گیا اور وہاں سے لبنان کا رُخ کیا' پھر واپس شام آیا اور شام سے عراق پہنچا' تاکہ عراق کی حکومت سے مشورہ کر کے سعودی عرب کو تعلقات کی بحالی کے لیے دعوت دی جائے۔ یہ بات امریکہ کے مفادات کے سخت خلاف تھی۔ وہ تو ایک عرصہ سے سعودی عرب اور ایران کو لڑا کر مسلمانوں میں خونریزی کی شب وروز کوشش کر رہا تھا۔ علاوہ ازیں سعودی عرب کو ایران کا ڈراوا دے کر اسلحہ فروخت کر کے لوٹ رہا تھا۔ لہٰذا سلیمانی کو قتل کر دیا گیا۔ گویا یہ ایران اور سعودی عرب کو قریب آنے سے روکنے کی ایک کوشش تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کا ایران سے کوئی جھگڑا نہیں' سوائے اس کے کہ امریکہ کی شہ رگ پر انگوٹھا رکھنے والا اسرائیل ایران کو نہ صرف ایٹمی ملک کے طور پر نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ اُسے طاقتور ایران بھی گوارا نہیں۔ امریکہ اور اسرائیل یہ چاہتے ہیں کہ پہلے مشرقِ وسطیٰ کی مسلمان ریاستوں کے مزید حصے بخرے کیے جائیں' پھر ایران سے نمٹا جائے۔ اُس کا ثبوت یہ ہے کہ امریکہ نے ۱۹۴۵ء سے لے کر آج تک جتنے بھی ممالک کو تباہ و برباد کیا ہے اُن میں سے کسی کو بھی اتنی دھمکیاں نہ دی تھیں جتنی ایران کو دی ہیں' لیکن عملاً ایران کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا اور کبھی ایرانی حدود میں کوئی جنگی کارروائی نہیں کی' بلکہ ایران کی دھمکیوں اور اُس کے لیڈروں کی سخت زبان کو بھی برداشت کیا۔ جہاں تک حالیہ امریکہ ایران تنازعہ کا تعلق ہے' اسے جنگ کہنا مذاق ہوگا' ہماری رائے میں یہ بھی نورا کشتی تھی۔ قاسم سلیمانی کی موت پر ایران نے بہت واویلا کیا' امریکہ کو خوب دھمکیاں دیں اور دونوں طرف سے انتہائی خوفناک حالات پیدا کر دیے گئے۔ ایران نے قم کی مسجد جمکران پر سرخ جھنڈا لہرا دیا' لیکن عملاً ہوا کیا؟ چند دن بعد ایران نے چند میزائل عراق میں امریکی اڈوں پر فائر کیے' جن کی فائر کرتے وقت تو ویڈیو دکھائی گئی' لیکن جہاں گرے وہاں کی ویڈیو نہ دکھائی گئی' نہ کوئی ہلاکتیں دکھائی گئیں۔ پہلے دن دعویٰ کیا کہ ہم نے جوابی حملے میں اسی (۸۰) فوجی ہلاک کر دیے ہیں' دوسرے دن کہہ دیا کہ فوجی مارنا ہمارا مقصد ہی نہ تھا۔

قارئین نوٹ کریں کہ ''جوابی حملے'' کے بعد امریکہ نے کس طرح ایران کو مذاکرات کے

لیے محبت بھرا پیغام بھیجا اور غیر مشروط مذاکرات کی دعوت دی ہے۔ کیا واحد سپریم پاور آف دی ورلڈ جوابی حملے کے بعد ایران سے خوف زدہ ہوگئی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ مستقبل کی خوفناک منصوبہ بندی کا حصہ ہے‘ یعنی پہلے مشرقِ وسطیٰ پھر ایران سے نمٹا جائے۔ اسی لیے فی الحال ایران سے بلّی چوہے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ خطے میں ایسی صورتِ حال پیدا کر دی جائے کہ سعودی عرب اور ایران پر اکسی وار کی بجائے کھلّم کھلا براہِ راست ایک دوسرے کے خلاف جنگ شروع کر دیں تاکہ معمولی سا خطرہ مول لیے بغیر گریٹر اسرائیل کا راستہ صاف ہو جائے۔

دریں حالات اب بھی وقت ہے کہ تمام اسلامی ممالک ہوشمندی کا مظاہرہ کریں‘ ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہ ہوں اور تمام مصلحتوں کو نظر انداز کر کے متحد ہو جائیں‘ تاکہ دشمن کے مذموم ارادے ناکام کیے جا سکیں۔ یہ سمجھنا حماقت عظمیٰ ہوگی کہ امریکہ اور اسرائیل ایران سمیت کسی اسلامی ملک کو ہنستا کھیلتا برداشت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو اتحاد و اتفاق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہم پاکستان کی سول حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حوالے سے امریکہ کے عزائم کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امریکہ کی حیثیت اسرائیل کے ایک پاسبان اور محافظ کی ہے اور امریکہ مسلم ممالک سے تعلقات کے حوالے سے اسرائیل سے ڈکٹیشن لیتا ہے۔ اسرائیل جلد از جلد گریٹر ریاست میں تبدیل ہونا چاہتا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں کوئی ایک اسلامی ملک بھی ایسا نہیں ہے جو گریٹر اسرائیل کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ اسرائیل‘ ایران امریکہ تعلقات کے باوجود ایران کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اصفہان میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اسرائیل ساری دنیا سے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد کرنا چاہتا ہے لیکن اصفہان کے یہودیوں کو اُس نے اسرائیل میں آباد ہونے کی کبھی دعوت نہیں دی۔ اسرائیل ایران کے حوالے سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اُس کے پاس ایسی قوت نہیں ہونی چاہیے کہ کبھی کوئی سرپھرا ایرانی حکمران اسرائیل پر حملہ کرنے کا سوچے اور اسرائیل کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے۔ البتہ ایران کو قائم دائم رہنا چاہیے‘ کیونکہ ایسی احادیث موجود ہیں کہ قربِ قیامت میں ستر ہزار یہودی ایران سے برآمد ہوں گے اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوں گے۔

اس پس منظر میں خطے کے حالات پر گہری نظر رکھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ

اِس صورت میں جبکہ عرب تباہی سے دوچار ہو چکا ہوگا‘ ایران کا رول بھی واضح ہو چکا ہوگا۔ تب اسرائیل کا خطے میں ایک ہی دشمن رہ جائے گا اور وہ ہے پاکستان۔ لہٰذا اسرائیل اور پاکستان کا تصادم ناگزیر لگتا ہے۔ اسرائیل کو امریکہ اور بھارت کی حمایت حاصل ہوگی۔ چین اور روس جو اس وقت بڑی طاقتیں ہیں اُن کا رول کیا ہوگا‘ ہم فی الحال اِس حوالے سے کچھ پیشین گوئی کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ پاکستان امریکہ‘ اسرائیل اور بھارت کے ابلیسی اتحاد کا اکیلا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ البتہ ہمیں یقین ہے کہ اگر اُس وقت پاکستان کا حکمران کوئی ایمانی قوت اور عزم صمیم رکھنے والا اور شہادت کی موت کا متمنی شخص ہوا تو اللہ ربّ العزت غیب سے لازماً مدد فرمائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے عربوں کی تباہی کی خبر تو دی ہے‘ علاوہ ازیں بعض ایسی احادیث سامنے آتی ہیں جن سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ خطے میں بڑی جنگیں ہوں گی‘ لیکن ہمارے لیے یہ کہنا اور ثابت کرنا مشکل ہے کہ کون کس وقت اور کس کے خلاف جنگ کرے گا۔ ایک بات لازم ہے کہ پاکستان اور افغانستان اُس وقت اسلامی ریاستیں ہوں گی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت جس طرح آج کے دور میں من و سلویٰ نہیں اُتارتا اِسی طرح وہ کسی مسلمان ملک کو معجزاتی طور پر اسلامی ریاست میں تبدیل بھی نہیں کرے گا‘ بلکہ اُس کے لیے زمینی سطح پر وہاں کے مسلمانوں کو جِدّوجُہد کرنا ہوگی‘ مالی و جانی قربانی دینا ہوگی۔ ہماری خواہش بھی ہے اور دعا بھی کہ پاکستان کے مسلمان پاکستان کو صحیح اور حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست بنانے کی جِدّوجُہد کریں۔ اللہ تعالیٰ تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی قبر کو نور سے بھر دے‘ اُن کے درجات بلند فرمائے‘ جنہوں نے اپنی ایک تحریر ’’ایک پنتھ تین کاج‘‘ میں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے ثمرات کو کیا خوب سمویا ہے کہ اسلامی نظام کے قیام سے پاکستان خوشحال ہو جائے گا‘ جس سے فرد دنیوی سطح پر کامیاب ہوگا‘ پاکستان مستحکم ہو جائے گا جس سے کوئی اُس کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا اور اعلیٰ و ارفع اور بہترین کامیابی یہ ہوگی کہ مسلمانانِ پاکستان کی آخرت سنور جائے گی۔ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ ہمارے نصیب میں کر دے۔ آمین یا ربّ العالمین!

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الزُّخْرُف

تمہیدی کلمات

سورۃ الزُّخرف اور سورۃ الدُّخان ایک بہت حسین جوڑے کی شکل میں آئی ہیں۔ دونوں سورتوں کی دو ابتدائی آیات مشترک ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں ایک معنوی نسبت یہ بھی ہے کہ سورۃ الزخرف کی چوتھی آیت میں قرآن کا تعارف ''اُمّ الکتاب'' کے حوالے سے کرایا گیا ہے اور سورۃ الدخان کی آیت ۳ میں لیلۂ مبارکہ میں ''اُمّ الکتاب'' سے قرآن کے نزول کا ذکر ہے۔ ''اُمّ الکتاب'' دراصل اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے جس کا ذکر سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۸ میں کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ اور سورۃ البروج کی آخری آیت میں لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ کے نام سے ہوا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۱۴

حٰمٓ (۱) وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ (۲) اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ
تَعۡقِلُوۡنَ (۳) وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ (۴)
اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ (۵) وَ
کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ (۶) وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا
کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ (۷) فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّ مَضٰی
مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ (۸) وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ
لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَہُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ (۹) الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ

مَہۡدًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ (۱۰) وَ الَّذِیۡ
نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِکَ
تُخۡرَجُوۡنَ (۱۱) وَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا وَ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ
الۡفُلۡکِ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ (۱۲) لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُہُوۡرِہٖ ثُمَّ
تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ رَبِّکُمۡ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡہِ وَ تَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ
الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ (۱۳) وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا
لَمُنۡقَلِبُوۡنَ (۱۴)

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ①﴾ ''ح م۔''

آیت ۲ ﴿وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ②﴾ ''قسم ہے اس کتاب کی جو بالکل واضح ہے۔''

یہاں پر چونکہ قرآن کی قسم کا ''جوابِ قسم'' یا مُقسم علیہ محذوف ہے' اس لیے اس قسم کا مقسم علیہ بھی سورۂ یٰسٓ کی آیت میں وارد الفاظ ﴿اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ③﴾ ہی کو مانا جائے گا۔ یہ نکتہ قبل ازیں سورۂ یٰسٓ کی آیت ۳ کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے کہ سورۂ یٰسٓ کے آغاز میں قرآن کی قسم چونکہ حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی کے طور پر کھائی گئی ہے' اس لیے قرآن کے ان تمام مقامات پر جہاں قرآن کی قسم کا مقسم علیہ محذوف ہے وہاں اس قسم کا مقسم علیہ منطقی طور پر ان ہی الفاظ ﴿اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ③﴾ کو ہونا چاہیے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یوں ہوگا کہ یہ کتاب مبین گواہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کے رسول ہیں!

آیت ۳ ﴿اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ③﴾ ''ہم نے اس کو بنایا ہے قرآن عربی تا کہ تم سمجھ سکو۔''

آیت ۴ ﴿وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ④﴾ ''اور یہ اُمّ الکتاب میں ہے ہمارے پاس بہت بلند و بالا' بہت حکمت والی!''

یعنی اصل قرآن تو ''اُمّ الکتاب'' میں ہے۔ دنیا کو اس کی عربی زبان میں مصدقہ نقول فراہم کی گئی ہیں۔ اسی ''اُمّ الکتاب'' کو سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۸ میں کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ اور سورۃ البروج کی آخری آیت میں لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ بھی کہا گیا ہے۔

آیت ۵ ﴿اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ⑤﴾ ''کیا

ہم اس ذکر کا رخ تمہاری طرف سے اس لیے پھیر دیں کہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو!''

ہم نے اپنی یہ کتابِ ہدایت ایک عظیم الشان نعمت کے طور پر تمہاری طرف نازل کی' جو نصیحت و یاد دہانی پر مشتمل ہے' مگر تم نے اس کی ناقدری کرتے ہوئے اس کی طرف سے روگردانی کی ہے۔ تو کیا ہم تمہارے اس رویّے کی وجہ سے اپنی اس نعمت کو ہی اُٹھا لیں؟ نہیں! ابھی ہم تم لوگوں کو مزید مہلت دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ابھی یہ کتاب تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی رہے گی۔

آیت ۶ ﴿وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝۶﴾ ''اور ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے پہلوں میں بھی۔''

آیت ۷ ﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷﴾ ''اور نہیں آیا کوئی بھی نبی ان کے پاس مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔''

آیت ۸ ﴿فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ ''پھر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جو ان سے بہت زیادہ بڑھ کر تھے قوت میں''

ہم نے ماضی میں بہت سی ایسی قوموں کو بھی نیست و نابود کر دیا جو قریشِ مکّہ سے کہیں بڑھ کر زور آور تھیں اور ان کی پکڑ بہت مضبوط تھی۔ تو یہ کس کھیت کی مولی ہیں؟

﴿وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸﴾ ''اور پہلے لوگوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔''

اقوامِ ماضی کے تفصیلی واقعات اور ان کے انجام کے بارے میں حقائق ان لوگوں کو بار بار بتائے جا چکے ہیں۔

آیت ۹ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۹﴾ ''اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو وہ لازماً یہی کہیں گے کہ انہیں بنایا ہے اُس ہستی نے جو العزیز اور العلیم ہے۔''

آیت ۱۰ ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰﴾ ''جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنا دیا اور پھر اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیے تاکہ تم منزل تک پہنچ سکو۔''

تاکہ تم ان قدرتی راستوں کی مدد سے اپنی منزلوں تک پہنچ سکو۔ مزید یہ کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کر کے ہدایت کی منزلِ مقصود پانے میں کامیاب ہو جاؤ۔

آیت ۱۱ ﴿وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ﴾ ''اور وہ جس نے اُتارا آسمان سے پانی ایک اندازے کے مطابق۔''

﴿فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ﴾ ''تو اس سے ہم نے مُردہ زمین کو اُٹھا کھڑا کیا۔''

اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی سے بنجر زمین میں زندگی کے آثار پھیلا دیے' اسے حیاتِ تازہ بخش دی۔

﴿كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۱﴾ ''اسی طرح (ایک روز) تمہیں بھی نکال لیا جائے گا۔''

تمہیں بھی روزِ محشر اسی طرح زندہ کر کے تمہاری قبروں سے نکال کھڑا کیا جائے گا۔

آیت ۱۲ ﴿وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ ''اور وہ کہ جس نے بنائے ہیں تمام مخلوقات کے جوڑے''

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝۱۲﴾ ''اور تمہارے لیے بنائی ہیں کشتیاں بھی اور چوپائے بھی جن پر تم سواری کرتے ہو۔''

آیت ۱۳ ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ﴾ ''تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر''

﴿ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ ''پھر اپنے رب کے انعام کا ذکر کرو جب کہ تم ان کے اوپر جم کر بیٹھ جاؤ''

﴿وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝۱۳﴾ ''اور تم کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ان (سواریوں) کو ہمارے بس میں کر دیا ہے' اور ہم تو انہیں قابو میں لانے والے نہیں تھے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۴﴾ ''اور یقیناً ہم اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

آیات ۱۵ تا ۲۵

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ﴿۱۵﴾
اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ

اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ
كَظِيۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنۡ يُّنَشَّؤُا فِي الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِي الۡخِصَامِ غَيۡرُ
مُبِيۡنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ
اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوۡا
لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ
اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ
مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِيۡ قَرۡيَةٍ
مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ
اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا
وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾
فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۵﴾

آیت ۱۵ ﴿وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ﴾ ’’اور انہوں نے اُس کے بندوں میں سے اُس کا ایک جزو ٹھہرایا۔‘‘

یعنی اُس کے بعض بندوں کو اُس کی اولاد قرار دے دیا۔ انسان کی اولاد دراصل اس کا جزو ہی ہوتا ہے۔ باپ کے جسم سے ایک سیل (spermatozone) نکل کر ماں کے جسم کے سیل (ovum) سے ملتا ہے اور ان دو cells کے ملاپ سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے —— cells ماں اور باپ کے اپنے اپنے جسموں کے جزو ہی ہوتے ہیں۔

﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۵﴾﴾ ’’یقیناً انسان بہت کھلا ناشکرا ہے۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصۡفٰكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ ﴿۱۶﴾﴾ ’’کیا اُس نے بنا لی ہیں اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں اور تمہیں پسند کر لیا ہے بیٹوں کے ساتھ!‘‘

یہ مضمون بہت تکرار کے ساتھ قرآن میں آیا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا﴾ ’’اور جب ان میں سے کسی کو اُس کی بشارت دی جاتی ہے جس کی مثال وہ رحمٰن کے لیے بیان کرتا ہے‘‘

وہ بڑی بے شرمی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹیاں منسوب کرتے ہیں، لیکن جب خود ان میں سے کسی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اُس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے:

﴿ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿۱۷﴾﴾ ’’تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم کے گھونٹ پی رہا ہوتا ہے۔‘‘

آیت ۱۸ ﴿اَوَمَنۡ يُّنَشَّؤُا فِي الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِي الۡخِصَامِ غَيۡرُ مُبِيۡنٍ ﴿۱۸﴾﴾ ’’کیا وہ جو پرورش پاتی ہے زیور میں اور بحث میں اپنا موقف واضح نہیں کر سکتی!‘‘

بچیاں پیدائشی طور پر نازک ہوتی ہیں، وہ بچپن سے ہی کھلونوں اور گڑیوں کے ساتھ کھیلتی ہیں اور زیورات میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ بحث و تکرار کے موقع پر اپنا مدعا بھی واضح انداز میں بیان نہیں کر سکتیں۔ اس کے برعکس لڑکے بچپن سے ہی نسبتاً مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں۔ وہ فطری طور پر ہتھیاروں کے کھلونوں سے کھیلنا اور مارشل گیمز میں حصہ لینا پسند کرتے ہیں۔

آیت ۱۹ ﴿وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ﴾ ’’اور انہوں نے فرشتوں کو، جو کہ رحمٰن کے مقرب بندے ہیں (اس کی) بیٹیاں قرار دے دیا ہے۔‘‘

﴿اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ’’کیا یہ لوگ موجود تھے ان کی تخلیق کے وقت؟ ان کی یہ گواہی (کہ فرشتے مؤنث ہیں) لکھ لی جائے گی اور پھر ان سے باز پرس ہو گی۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی بندگی نہ کرتے۔‘‘

﴿مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ ’’ان کے پاس اس کے لیے کوئی علمی سند نہیں ہے، وہ تو محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔‘‘

آیت ۲۱ ﴿اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ’’کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جسے وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں؟‘‘

کیا ان لوگوں کے پاس ہماری نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس سے یہ اپنی اس ملائکہ پرستی کے لیے دلیل پکڑتے ہوں؟ یا ان کے معبودانِ باطل لات، منات، عُزّیٰ اور ہبل میں سے کسی نے ان پر کوئی کتاب یا صحیفہ نازل کر رکھا ہے؟ سورۃ ماقبل (الشوریٰ) کی آیت ۲۱ میں بھی اس سے ملتا

جلتا سوال کیا گیا ہے: ﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾ ''کیا ان کے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین میں کچھ ایسا طے کر دیا ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟''

آیت ۲۲ ﴿بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے آباء واجداد کو پایا ایک راستے پر اور اب ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر ہدایت یافتہ ہیں۔''

آیت ۲۳ ﴿وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کسی خبردار کرنے والے کو مگر اُس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا''

﴿اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''کہ ہم نے پایا ہے اپنے آباء واجداد کو ایک راستے پر اور اب ہم ان ہی کے نقشِ قدم کی اقتدا کر رہے ہیں۔''

آیت ۲۴ ﴿قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ﴾ ''اُس (خبردار کرنے والے) نے کہا کہ خواہ میں لایا ہوں تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی چیز اُس کے مقابلے میں جس پر تم نے اپنے آباء واجداد کو پایا!''

ہر قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا اُس نے اپنی قوم سے سوال کیا کہ خواہ میں تمہیں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے جب بھی تم انہی کے نقشِ قدم کی پیروی کرو گے اور اُسی ڈگر پر چلتے جاؤ گے؟

﴿قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم اُس کے جس کے ساتھ آپ بھیجے گئے ہیں' منکر ہیں۔''

یوں ہر قوم کے لوگ پوری ڈھٹائی کے ساتھ سینہ تان کر اپنے نبیؑ کا انکار کرتے رہے۔

آیت ۲۵ ﴿فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''تو ہم نے اُن سے انتقام لیا' تو دیکھو پھر کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

آیات ۲۶ تا ۳۵

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۶﴾
اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ سَيَهۡدِيۡنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ
عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰٓؤُلَاۤءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى
جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ وَرَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ قَالُوۡا
هٰذَا سِحۡرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ
عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ
رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا
بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَـتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ
وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ
النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَـعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا
مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّ
سُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ
الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾

آیت ۲۶ ﴿وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا اپنے والد اور اپنی قوم سے کہ یقیناً میں بیزار ہوں ان سے جنہیں تم پوجتے ہو۔''

آیت ۲۷ ﴿اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ سَيَهۡدِيۡنِ ﴿۲۷﴾﴾ ''سوائے اُس ہستی کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو یقیناً وہی مجھے راستہ دکھائے گا۔''

آیت ۲۸ ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اُس نے اسی بات کو باقی رکھا اپنے پیچھے (اپنی اولاد میں) بھی تاکہ وہ (اللہ ہی کی جناب میں) رجوع کیے رہیں۔''

یہی بات سورۃ البقرۃ میں یوں بیان ہوئی ہے: ﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾﴾ ’’اور اسی کی وصیت کی تھی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے بھی‘ کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے‘ پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان!‘‘

آیت ۲۹ ﴿بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾﴾ ’’لیکن میں نے ان لوگوں کو اور ان کے آباء و اجداد کو کچھ ساز و سامان دے دیا‘ یہاں تک کہ ان کے پاس آ گیا حق اور ایک واضح کر دینے والا رسول۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾﴾ ’’اور جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾﴾ ’’اور کہنے لگے کہ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی عظیم شخص پر؟‘‘

یہاں اصل مرکب توصیفی ’’رَجُلٍ عَظِيْمٍ‘‘ ہے‘ لیکن ان دو الفاظ کے درمیان ’’مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ‘‘ آ جانے سے ’’رجل‘‘ کی صفت (عظیم) آخر پر چلی گئی ہے۔ قرآن کے اسلوب کے مطابق الفاظ کی یہ تقدیم و تاخیر مخصوص صوتی آہنگ کے باعث ہوتی ہے جس کی مثالیں قرآن میں جابجا ملتی ہیں۔

مکّہ اور طائف نزولِ قرآن کے زمانے میں (پاکستان کے راولپنڈی اور اسلام آباد کی طرح) جڑواں شہر (twin cities) سمجھے جاتے تھے۔ دونوں شہروں کے لوگوں کے آپس میں گہرے مراسم تھے۔ مکّہ کے اکثر سرداروں کی طائف میں بڑی بڑی جائیدادیں تھیں۔ ان میں ولید بن مغیرہ کا ذکر روایات میں خاص طور پر آتا ہے کہ طائف میں اس کے بہت سے باغات اور مکانات تھے۔ مذکورہ جملہ دراصل اس پس منظر میں کسا گیا تھا کہ ان دونوں شہروں کی بڑی شخصیات کو چھوڑ کر اللہ کو رسول بنانے اور اس پر اپنی کتاب نازل کرنے کے لیے آخر قریش کا ایک یتیم ہی کیوں پسند آیا ہے!

آیت ۳۲ ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ﴾ ’’کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کریں گے؟‘‘

نبوت اور وحی اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہماری اس رحمت کا حقدار کون ہے اور ہم یہ فیصلہ اپنی مشیت و حکمت کے مطابق کرتے ہیں کہ اس بلند مرتبے پر کسے فائز ہونا ہے۔ چنانچہ ہم نے خود اس منصب کے لیے محمد (ﷺ) کا انتخاب فرمایا ہے اور آپ کو رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ ہمارے اس فیصلے پر اعتراض کرنے کا حق انہیں کس نے دیا ہے؟

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ’’ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کا سامان دُنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے‘‘

﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ’’اور ان میں سے بعض کو بعض پر ہم نے درجات میں فوقیت دے دی ہے‘‘

کسی کو کھاتے پیتے والدین کے گھر پیدا کر کے پیدائشی طور پر خوشحال بنا دیا ہے تو کسی کو اس حال میں رکھا ہے کہ اسے دن بھر مشقت کر کے بھی دو وقت کا کھانا میسر نہیں ہوتا۔

﴿لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ﴾ ’’تا کہ بعض لوگ دوسروں کو خدمت گار بنا سکیں۔‘‘

اگر وہ سب کو ایک جیسا بنا دیتا تو کوئی کسی کی ملازمت کیوں کرتا؟ اور مختلف کام کرنے والے مزدور کہاں سے ملتے؟ بہرحال اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی اسی درجہ بندی کی بدولت دنیا میں ہر قسم کا کام کرنے والے پیشہ ور لوگ دستیاب ہیں اور اسی وجہ سے یہ کارخانہ تمدن چل رہا ہے۔

﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٣٢﴾﴾ ’’اور آپ کے رب کی رحمت کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔‘‘

سورۂ یونس میں بالکل یہی الفاظ قرآن مجید کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾﴾ ’’اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہلِ ایمان کے حق میں ہدایت اور (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے۔ تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں۔ وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع

کرتے ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿وَلَوۡلَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً﴾ ''اور اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی اُمت بن جائیں گے''

یعنی اگر تمام لوگوں کے کافر اور منکر ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا:

﴿لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِہِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیۡہَا یَظۡہَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''تو جو لوگ رحمٰن کا کفر کرتے ہم ان کے لیے بنا دیتے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے۔''

آیت ۳۴ ﴿وَلِبُیُوۡتِہِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیۡہَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی (چاندی کے ہوتے) جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے۔''

آیت ۳۵ ﴿وَزُخۡرُفًا ؕ﴾ ''اور سونے کی بھی (بنا دیتے)۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی ان چیزوں کی سرے سے کوئی وقعت ہے ہی نہیں۔ اس حوالے سے یہ حدیث نبویؐ قبل ازیں متعدد بار دہرائی جا چکی ہے کہ اگر دنیا و مافیہا کی وقعت اللہ کی نگاہ میں مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی دولت اور زیب و زینت کی کوئی اہمیت ہے ہی نہیں' اس لیے وہ تو اپنے سرکش اور نافرمان انسانوں کو بھی طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔

﴿وَاِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ﴾ ''اور یہ سب کچھ تو بس دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے۔''

کسی کا محل سونے کا ہو یا چاندی کا' وہ اسے اپنے ساتھ قبر میں تو نہیں لے جا سکتا۔ دنیا کا ساز و سامان جو کچھ بھی ہو' جتنا کچھ بھی ہو یہیں اسی دنیا میں چھوڑ کر انسان آخرت کو سدھار جائے گا۔

﴿وَالۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور آخرت (کی کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک صرف اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔''

آیات ۳۶ تا ۴۵

وَ مَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ
قَرِیۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّہُمۡ لَیَصُدُّوۡنَہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ
مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکَ بُعۡدَ
الۡمَشۡرِقَیۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ ﴿۳۸﴾ وَ لَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ
اَنَّکُمۡ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَہۡدِی
الۡعُمۡیَ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذۡہَبَنَّ بِکَ فَاِنَّا
مِنۡہُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿ۙ۴۱﴾ اَوۡ نُرِیَنَّکَ الَّذِیۡ وَعَدۡنٰہُمۡ فَاِنَّا عَلَیۡہِمۡ
مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ فَاسۡتَمۡسِکۡ بِالَّذِیۡۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ ۚ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّہٗ لَذِکۡرٌ لَّکَ وَ لِقَوۡمِکَ ۚ وَ سَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۴۴﴾
وَ سۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ
الرَّحۡمٰنِ اٰلِہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾

آیت ۳۶ ﴿وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو کوئی منہ پھیر لے رحمٰن کے ذکر سے' اس پر ہم ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں' تو وہ اس کا ساتھی بنا رہتا ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَاِنَّہُمۡ لَیَصُدُّوۡنَہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''اور وہ (شیاطین) ان کو روکتے ہیں سیدھے راستے سے' اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی منصوبہ بندی بڑی کامیاب ہے' کاروبار خوب جم رہا ہے' دولت تیزی سے بڑھ رہی ہے' پہلے ایک فیکٹری تھی' پھر دو ہوئیں اور اب تین ہو گئی ہیں۔ وہ اپنی انہی کامیابیوں پر نازاں و فرحاں مسلسل دنیا سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں۔

آیت ۳۸ ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَیۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ ﴿۳۸﴾﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے)

کہے گا کہ کاش میرے اور تمہارے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا‘ تو تو بہت ہی بُرا ساتھی ہے!‘‘

آیت ۳۹ ﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۹﴾ ’’اور جب کہ تم ظلم کرتے رہے ہو تو آج کے دن یہ بات تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔‘‘

اپنے ظلم کے نتیجے میں تم اور تمہارے شیطان ساتھی جہنم کا عذاب اکٹھے بھگتو گے‘ مگر ان شیاطین کا عذاب میں تمہارے ساتھ شریک ہونا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس سے تمہارے اپنے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

آیت ۴۰ ﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۰﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے‘ اور ان کو جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں!‘‘

آیت ۴۱ ﴿فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝۴۱﴾ ’’تو اگر ہم آپ کو لے بھی جائیں‘ تب بھی ان سے تو ہم انتقام لے کر ہی رہیں گے۔‘‘

اگر ہم آپ کو اپنے پاس بلا لیں تب بھی انہیں تو ان کے جرائم کی سزا مل کر ہی رہے گی۔

آیت ۴۲ ﴿اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۴۲﴾ ’’یا (یہ بھی ہوسکتا ہے کہ) ہم آپؐ کو دکھا دیں وہ کچھ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے‘ ہمیں یقیناً ان پر پوری قدرت حاصل ہے۔‘‘

ہم چاہیں تو آپؐ کی زندگی میں ہی ان پر فیصلہ کن عذاب لے آئیں اور چاہیں تو آپؐ کے بعد ان پر گرفت کریں۔

آیت ۴۳ ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ مضبوطی سے تھام لیجیے اس کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے‘ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔‘‘

اسی فعل سے اسم الفاعل (مُسْتَمْسِكُوْنَ) اس سے قبل آیت ۲۱ میں مشرکین کے حوالے

سے آ چکا ہے کہ کیا ان کے پاس اللہ کی دی ہوئی کوئی کتاب ہے جس کو وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں؟ پھر یہی لفظ نبی اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ((تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا : كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ))[1] ’’میں آپ لوگوں کے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں‘ اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے‘ اور وہ ہیں: اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سُنّت۔‘‘

آیت ۴۴ ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۴۴﴾ ’’اور یہ (قرآن) آپ کے لیے بھی یاد دہانی ہے اور آپ کی قوم کے لیے بھی‘ اور عنقریب آپ سب سے پوچھ گچھ ہوگی۔‘‘

یہ قرآن گویا آپ کا وظیفہ ہے۔ آپ اسے ہمیشہ پڑھتے رہیے اور آپ کی قوم کی ہدایت و فلاح بھی اسی میں ہے۔

آیت ۴۵ ﴿وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ﴾ ’’اور آپ پوچھ لیجیے ان سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اپنے رسولوں میں سے‘‘

یعنی عالمِ ارواح میں تو آپ ﷺ کی ملاقات تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے رہی تھی۔ معراج کے موقع پر بھی بیت المقدس میں آپؐ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کرائی تھی۔ آپ ان میں سے کسی سے بھی پوچھ لیجیے۔

﴿اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵﴾ ’’کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کوئی اور بھی ایسے معبود بنائے ہیں کہ جن کی پوجا کی جائے؟‘‘

آپ جس سے بھی پوچھیں گے ایسی کوئی گواہی آپ کو نہیں ملے گی اور نہ ہی کسی نبی کی تعلیمات سے ایسی کسی بات کا کہیں سراغ ملے گا۔

۱۔ رواہ مالک بن انس مرسلاً فی الموطأ۔ بحوالہ مشکاۃ المصابیح‘ کتاب الایمان‘ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۱۸)

مسلمانوں کی سیاسی اور ملّی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

شجاع الدین شیخ ☆

ہم سورۃ الحجرات کی روشنی میں ’’مسلمانوں کی سیاسی اور ملّی زندگی کے رہنما اصول‘‘ پر گفتگو کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس میں سیاست اور ریاست سے متعلق قومی و ملی امور کا بیان ہے —— یاد رہے کہ یہاں سیاست سے مراد معاملات کا انتظام ہے —— اس درس کا پہلا حصہ آیات ۱ تا ۵ اور ۷۔۸ میں اسلامی ریاست کی دستوری بنیادوں کی وضاحت پر مبنی ہے۔ دوسرا حصہ آیات ۶ اور ۹ تا ۱۲ پر مشتمل ہے جن میں ملّت کی شیرازہ بندی کے لیے احکامات موجود ہیں۔ تیسرا حصہ آیات ۱۳ تا ۱۸ میں اسلامی ریاست میں شہریت کی بنیاد‘ اسلامی معاشرے کا دوسرے معاشروں سے تعلق اور ایمانِ حقیقی کے ارکان کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔

اصل الاصول: قرآن وسنّت کی پیروی لازم

پہلی آیت میں اسلامی ریاست کے دستورِ اساسی کا اصل الاصول بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①﴾

’’اے مؤمنو! کسی معاملے کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ بیشک اللہ سننے والا‘ جاننے والا ہے۔‘‘

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت‘ تنظیم اسلامی

ایک مسلمان کی طرح ایک مسلم معاشرہ اور اسلامی ریاست بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی پابند ہے۔ اسلامی ریاست کے دستور کی پہلی دفعہ سورۂ یوسف میں آئی ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۴۰) کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے۔ بندوں کے لیے خلافت کا تصور ہے بایں طور کہ یہ اللہ کے نمائندے ہیں اور ربّ کی زمین پر بندوں کی ذمہ داری ربّ کے قوانین کے نفاذ کی جِدّوجُہد ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ذریعے ہوگی۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (آیت ۸۰) ’’جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی‘‘۔ نماز اللہ کے لیے ادا کی جاتی ہے‘ لیکن طریقہ رسول اللہ ﷺ کا اختیار کیا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے اور قرآن وسنت کی پیروی اسلامی ریاست کے دستور کی اہم اساس ہے۔ الحمدللہ‘ پاکستان کے دستور میں ’’قراردادِ مقاصد‘‘ میں اسی بات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ دستور میں درج ہے:

"Sovereignty belongs to Allah SWT —— No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah."

’’حاکمیت مطلقہ اللہ کی ہے —— یہاں ایسی کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن اور سنت سے متخالف اور متصادم ہو۔‘‘

بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اپنے دستور میں یہ درج تو کر دیا‘ لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ اس کے علی الرغم یہاں عوامی حاکمیت کے نعرے لگائے جاتے ہیں‘ سیکولرزم کی باتیں کی جاتی ہیں‘ دھڑلے سے شرعی احکامات کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہ ہمارا طرزِ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے تقاضوں پر عمل درآمد کی توفیق دے اور ہمارے حکمران اپنی خواہشات کی پیروی کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ احکام کی پاس داری کر کے سلطنت کے امور کو چلانے کی کوشش کریں۔

ریاستی امور چلانے میں آزادی محدود ہے۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْاِيْمَانِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي آخِيَّتِهِ)) ’’مؤمن اور ایمان کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے‘‘۔ کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی آزادی محدود ہوتی ہے۔ جس رسّی سے وہ بندھا ہوا ہے اس سے جو دائرہ بنتا ہے

وہ اس میں آزاد ہے۔ چاہے کھڑا رہے‘ لیٹے‘ اُچھلے کودے یا جو چاہے کرے۔ اس دائرے سے باہر نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے جو قوانین بنا دیے گئے ہیں‘ ان کے اندر آزادی ہے‘ لیکن قوانین کی حدود کو عبور نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں حرام کی حد لگادی گئی ہو‘ اس کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ باقی حلال کے اندر رہتے ہوئے اپنے معاملات کو طے کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طے کردہ حدود کے دائرے میں سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۸ —— ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠﴾ ”اور (اہلِ ایمان) اپنے معاملات باہمی مشورے سے چلاتے ہیں“ —— کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کیے جاسکتے ہیں۔ باہمی مشاورت کی ایک مجوزہ صورت یہ ہے کہ پارلیمنٹ یا شوریٰ کا رکن منتخب ہونے کے لیے مسلمان ہونا اور ایک خاص علمی اور اخلاقی معیار کا حامل ہونا لازم ہوگا۔ یہ آئیڈیل صورت ہوگی۔ ہمارے آئین کی دفعہ ۶۲۔۶۳ میں یہ درج تو ہے‘ لیکن اس کی روح پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ منتخب پارلیمنٹ یا شوریٰ قانون سازی تو کرے گی‘ لیکن اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ یہ قرآن وسنت سے متصادم نہ ہو۔ اس لیے کہ اصولی بنیاد طے ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت لازم ہے اور قرآن وسنت کی بالادستی ہوگی۔ اگر ریاست کا کوئی فرد سمجھتا ہے کہ پارلیمنٹ یا شوریٰ کا بنایا ہوا کوئی قانون قرآن وسنت سے متصادم ہے تو وہ عدالت سے رجوع کرسکتا ہے۔ عدالت‘ علماء اور ماہرین کی آراء سے استفادہ کر کے فیصلہ کرے گی کہ آیا قانون سازی میں قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہوئی ہے کہ نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہے تو عدالت اس قانون کو کالعدم قرار دے کر پارلیمنٹ یا شوریٰ کو نیا قانون بنانے کا حکم دے گی۔ اللہ کرے کہ ہماری اسلامی ریاستوں میں ایسا معاملہ ہو اور ہمارے حکمرانوں کے دل اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کی طرف مائل ہوں تو عہدِ حاضر میں ریاستی سطح پر معاملات کو مشاورت کے ذریعے چلانے کے ضمن میں یہ ایک عملی شکل بن سکتی ہے۔

زیر درس آیت کے آخر میں ذکر آیا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اطاعت کی روح ہے۔ خوفِ خدا دل میں ہوگا تو بندہ اللہ کے احکام اور نبی ﷺ کی تعلیمات کا پاس رکھے گا۔ تقویٰ کے بغیر بڑے بڑے احکام کو حیلہ سازی کے ذریعے کھیل بنالیا جاتا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت اہم احکام عطا فرمائے ہیں‘ اسی لیے اس میں پانچ مرتبہ اللہ کا

تقویٰ اختیار کرنے کا ذکر آیا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ یعنی اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اس میں اہلِ تقویٰ کے لیے سامانِ تسکین اور قرآن وسنت سے روگردانی کرنے والوں کے لیے دھمکی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ادب واحترام

سورۃ الحجرات کی آیات ۲ تا ۸ میں مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ یا حیاتِ ملّی کی دوسری اہم بنیاد کا ذکر ہے۔ آیات ۲ اور ۳ میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳﴾

”اے مؤمنو! اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے اونچی نہ کرو اور آپ کے روبرو زور سے نہ بولا کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو‘ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں‘ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لیے آزمالیے ہیں۔ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

اسلامی ریاست کی پہلی بنیاد دستوری اور آئینی نوعیت کی تھی‘ جب کہ دوسری بنیاد جذباتی اور ثقافتی ہے۔ انسان کی یہ ضرورت ہے کہ اس کے قلبی لگاؤ کے لیے ایسی شخصیت موجود ہو جو معاشرے کی شیرازہ بندی میں نقطۂ ماسکہ کا کردار ادا کرے‘ چنانچہ ہر معاشرے میں کچھ لوگوں کو قومی سطح پر ہیرو بنالیا جاتا ہے۔ یہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہاں کوئی مصنوعی شخصیت تراشنے اور گھڑنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ہم مسلمانوں ہی کے لیے نہیں‘ پوری عالمِ انسانیت کے لیے رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی محبت وعقیدت اُمتِ مسلمہ کے لیے جذباتی اور ثقافتی بنیاد ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ وہ مرکزی شخصیت اور قابلِ اتباع ہستی ہے جو ہر علاقے اور ہر دور کے لیے رہبر ورہنما ہے۔ آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ کی مناسبت سے آپ ﷺ کے سامنے زیر درس

آیت میں اونچی آواز میں گفتگو کی ممانعت آئی ہے۔ اس پر صحابہ کرام ؓ کا طرزِ عمل یہ بن گیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے بہت خاموش رہنے لگے‘ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ؓ اتنی آہستگی سے گفتگو فرماتے کہ ان سے نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے کہ زور سے بولو کہ تمہاری آواز ہمیں نہیں آرہی ہے۔

یہ ادب واحترامِ نبوی ﷺ کے حوالے سے قرآن مجید کا اہم ترین مقام ہے۔ ذرا غور کیجیے‘ محض ظاہری آداب میں کوتاہی پر تمام اعمال کے ضیاع کا اندیشہ ہے تو نبی اکرم ﷺ کی حکم عدولی اور نافرمانی پر کتنا عظیم خسارہ ہوگا؟ ملاحظہ ہو آیت قرآنی: ﴿یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ﴿۴۲﴾﴾ (النساء)
’’اُس روز کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش ان کو زمین میں دفن کر کے مٹی برابر کر دی جاتی‘ اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے‘‘۔ یہاں قرآن نے کفر اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کو برابر قرار دیا ہے۔ آیات ۴ اور ۵ میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾﴾

’’(اے نبی ﷺ!) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا‘ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کی توقیر وتعظیم کے حوالے سے ایک کوتاہی کا ذکر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد قیلولہ فرماتے تھے۔ کچھ لوگ اس وقت آئے اور حجرے کے باہر سے پکارنے لگے: اے محمد ﷺ! باہر آیئے اور ہماری بات سنئے۔ ایسے لوگوں کو یہاں ادب سکھایا جا رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتی مشغولیت اور آرام کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے ذیل میں علماء نے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ جو لوگ بھی مسلمانوں کے ذمہ دار ہوں‘ بالخصوص دینی امور کے حوالے سے‘ تو ان کی مصروفیات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ کی توقیر وتعظیم کے حوالے سے اسلامی ریاست کے دستور میں جذباتی بنیاد کا بیان بہت اہم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو عقیدت‘ اطاعت اور اتباع کا مرکز مانتے ہوئے باہمی اخوت‘ اتحاد اور یکجہتی کا عمل بھی بڑھتا چلا جائے گا۔ آج ہم چند فروعی اختلافات کو پھیلاتے

ہیں‘ حالانکہ اُمت کے پاس اتفاقی امور زیادہ ہیں اور ہم جتنا حضور اکرم ﷺ سے قریب ہو کر آپ ﷺ کی پیروی میں لگیں گے‘ اُمت جڑتی چلی جائے گی۔

آگے آیت ۶ میں فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾﴾

’’اے مومنو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو‘ ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی میں نقصان پہنچا دو پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔‘‘

جھوٹی اطلاعات اور افواہوں سے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں‘ لہٰذا باتوں کو تحقیق کے بعد آگے بڑھانا چاہیے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ)) ’’ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے (بلاتحقیق) آگے بیان کر دے۔‘‘

مزید یہ کہ اسلامی ریاست کے دستور میں نبی اکرم ﷺ کے فرامین کی بنیادی حیثیت کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور یہاں گویا حکم دیا جا رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے منسوب حدیث کے بارے میں پوری تحقیق کیا کرو۔ اسی حکم کی بنیاد پر محدثین نے ان ہزاروں اشخاص کی زندگیوں کا جائزہ لیا جن کے نام احادیث کے راویوں کی فہرست میں آتے ہیں اور اس سے اسماء الرجال کے عنوان سے ایک بڑا علم اور فن وجود میں آیا۔ محدثین کرام نے سند و مضمون کے اعتبار سے احادیث کی جانچ پڑتال کی اور ان کی صحت کے حوالے سے درجہ بندی کی۔

آیات ۷ اور ۸ میں ارشاد ہوا:

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾﴾

’’اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں‘ اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو عزیز کر دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا‘ اور کفر‘ گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار

کر دیا۔ یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔ یہ اللہ کے فضل اور نعمت میں سے ہے' اور اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

ان آیات کا تعلق سورت کے پہلے حصے یعنی اسلامی ریاست کی دستوری بنیادوں سے ہے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے مقام اور مرتبے کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضور ﷺ کے توقیر و احترام کی بنیادی اور اصل وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں' مگر کئی صحابہ و صحابیات (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے ساتھ آپ ﷺ کا رشتہ بھی تھا۔ آپ ﷺ کسی کے والد بھی ہیں تو کسی کے شوہر بھی ہیں' کسی کے دوست ہیں تو کسی کے سسر اور کسی کے داماد بھی ہیں۔ ان صحابہ اور صحابیات کو بتا دیا گیا کہ یہ رشتے بجا ہیں' لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ تمہاری اصل نسبت رسول اور امتی کی ہے۔ ہم سب رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں۔ اگر ہم آپ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے تو ہم اپنے آپ کو مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ ہماری خیر اسی میں ہے کہ آپ ﷺ کے فرامین کو نہ صرف تسلیم کریں' بلکہ ان پر عمل بھی کریں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ہر معاملے میں آپ ﷺ کی مرضی و منشا کو دیکھنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ کہ ان آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صاحبِ ایمان' صاحبِ کردار اور صاحبِ ہدایت ہونے کی سند بھی عطا کی گئی ہے۔ ایمان کی محبت اور کفر و نافرمانی سے نفرت کو اللہ کا وہ فضل قرار دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ہمیں بھی دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان بڑھا دیجیے اور کفر' فسق اور نافرمانی سے ہم میں نفرت پیدا فرما دیجیے۔ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق اور اس کی عطا کے بغیر ممکن نہیں۔

اُمت کی شیرازہ بندی کے لیے ہدایات

آیات ۹۔۱۰ میں فرمایا گیا:

﴿وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ
اِحۡدٰىہُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰى تَفِیۡٓءَ اِلٰۤى اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ
فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾
اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ

تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾

''اگر مؤمنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو' اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو' یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس جب وہ لوٹ آئے تو دونوں فریقوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل سے کام لو۔ بیشک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ بیشک مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو' اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''

یہاں اُمتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کے لیے مزید ہدایات عطا کی گئی ہیں۔ ایمان والوں میں بھی اختلاف اتنا شدید ہو سکتا ہے کہ جنگ تک نوبت آ جائے تب بھی وہ ایمان والے ہیں۔ یہ میں نہیں' قرآن کہہ رہا ہے۔ یہاں معمولی علمی اور مسلکی اختلاف کی بنیاد پر نہ جانے کتنے فتوے جاری ہو جاتے ہیں اور کتنی کتابیں لکھ دی جاتی ہیں۔ خدا کا خوف کریں' مسلمانوں کو مسلمان رہنے دیں۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ آج کچھ لوگوں نے کافر بنانے کی فیکٹریاں کھول دی ہیں۔

اگر باوجود تمام پیش بندیوں کے اہل ایمان کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ لاتعلق ہو کر بیٹھ رہنے کی بجائے متحارب گروہوں میں صلح کروانے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اسے سماجی دباؤ کے ذریعے عادلانہ صلح پر آمادہ کیا جائے۔ علی الاعلان اس کی مذمت' اس کا بائیکاٹ اور انتہائی درجے میں اس کے خلاف جنگ کرنا بھی جائز ہے۔ جب دونوں فریق صلح پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دی جائے۔ تمام اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔ کوئی سلیم الفطرت آدمی پسند نہیں کرتا کہ دو بھائیوں کے درمیان اختلافات رہیں' لہٰذا صلح کی بھرپور کوشش کی جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نفل نماز' نفل روزے اور صدقہ و خیرات سے زیادہ قیمتی دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دینا ہے۔

زیر درس آیات میں مسلمانوں کی باہمی اخوت کا ذکر ہے۔ آج ہم ''سب سے پہلے مسلمان'' کے بجائے ''سب سے پہلے پاکستانی'' ہیں' یہی وجہ ہے کہ ہمارے پڑوس میں پندرہ لاکھ افغان بھائی شہید کر دیے گئے اور ہم نے اُف تک نہ کی۔ پاکستان میں ہم پہلے پنجابی' سندھی' پختون' بلوچی اور مہاجر ہیں۔ گھروں میں برادریوں کی تقسیم ہے۔ درحقیقت ہمارے رشتے کی پہلی

بنیادایمان ہے‘ خدارا! اس کی طرف لوٹنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ تعصب کسی بھی بنیاد پر ہمارے دین میں جائز نہیں اور حدیث کے مطابق جو عصبیت کی طرف بلائے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

احادیثِ مبارکہ میں اہلِ ایمان کے بھائی بھائی ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا مثالیں عطا فرمائیں‘ ان کا بھی ذکر ہو جائے۔ ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا)) ”مؤمن ایک دوسرے کے لیے عمارت کی مانند ہیں‘ جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے“۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو ایسا ہونا چاہیے)۔ ایک اور متفق علیہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ اشْتَكٰى كُلُّهُ ‘ وَاِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهُ اشْتَكٰى كُلُّهُ)) ”تمام مسلمان ایک جسدِ واحد کی مانند ہیں‘ اگر آنکھ دکھے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے‘ اور اسی طرح اگر سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے“۔ آج اُمت کے اکثر ممالک آگ میں جل رہے ہیں۔ دل سے پوچھیں کہ اپنے مظلوم بھائیوں اور بہنوں کے لیے بالفعل کچھ کرنا تو بعد کی بات ہے‘ کیا دعا کی خاطر ہمارے ہاتھ بھی اُٹھتے ہیں؟

ایک اور متفق علیہ حدیث مسلمانوں کے باہمی حقوق کے تعلق سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ)): قِيْلَ مَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: ((اِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ ‘ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ ‘ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ ‘ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ ‘ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ ‘ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ))

”مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں“۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! کون کون سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(۱) جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کرو۔ (۲) جب وہ مدعو کرے تو اس کی دعوت قبول کرو۔ (۳) جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کرو۔ (۴) جب اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا جواب (یرحمک اللہ کے ساتھ) دو۔ (۵) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ (۶) جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے (جنازے کے) ساتھ جاؤ“۔

ان حقوق کی ادائیگی کے نتیجے میں باہمی محبت میں اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مجلسی ومعاشرتی برائیوں سے بچنے کی تاکید

آگے آیات ۱۱۔ ۱۲ میں ارشاد ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫﴾

”اے مؤمنو! مرد مذاق نہ اڑائیں مردوں کا‘ ممکن ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں‘ اور نہ عورتیں مذاق اڑائیں عورتوں کا‘ ممکن ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں‘ اور اپنے (مسلمان بھائی) کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو‘ (یاد رکھو کہ) ایمان لانے کے بعد برے نام رکھنا برا عمل ہے‘ اور جو توبہ نہ کریں پس وہی تو ظالم ہیں۔ اے مؤمنو! بہت گمان کرنے سے بچو‘ بیشک بعض گمان گناہ ہیں‘ اور کسی کے بارے میں تجسس مت کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے‘ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ تو یہ تو تمہیں بہت برا لگے گا‘ اور اللہ کی نافرمانی سے بچو‘ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

ان آیات میں ان مجلسی برائیوں کی ممانعت ہے جن کی وجہ سے دو افراد یا گروہوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ آیت ۱۱ میں تین ایسی مجلسی برائیوں سے منع کیا گیا جو آمنے سامنے کی جاتی ہیں اور آیت ۱۲ میں ایسی تین برائیوں سے روکا گیا ہے جو کسی کی عدم موجودگی میں کی جاتی ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو آج یہ برائیاں ہمارے معاشرے میں عام نظر آتی ہیں‘ لہٰذا فتنہ وفساد اور اس کے نتیجے میں دوریاں بھی بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

(۱) **مذاق اُڑانا:** پہلی بات کسی کی صورت‘ عیب‘ لباس یا کام کا مذاق اڑانا ہے۔ گفتگو سے ہنس

کر‘ نقل اتار کر یا کسی کی طرف سے مذاق اڑانا بھی اس میں شامل ہے۔ اس کی وجہ کسی کو رنگ‘ نسل‘ جسمانی عیب‘ گفتگو‘ لباس اور پیشے وغیرہ کی وجہ سے کم تر سمجھنا ہے۔ مذاق اڑانے میں بہرحال یہ پہلو سامنے ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کے ظاہر کو دیکھ کر مذاق اُڑاتے ہیں‘ جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطن کو دیکھتا ہے۔ کیا پتا جس کا ہم مذاق اڑاتے ہوں‘ اللہ کے ہاں اس کا کیا مقام ہو۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ)) ”بیشک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتیں دیکھتا ہے نہ مال‘ البتہ وہ تمہارے دل دیکھتا ہے اور تمہارے اعمال“۔ خواتین کو علیحدہ طور سے مذاق اڑانے سے روکا گیا ہے‘ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواتین کی دنیا ذمہ داریوں کے اعتبار سے چھوٹی ہے‘ لہٰذا وہ بالعموم بات بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا ذکر علیحدہ سے کیا گیا ہے۔ ویسے یہ الگ بات ہے کہ اب مرد بھی عورتوں سے اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے۔

(۲) طعنہ زنی کرنا: دوسری برائی جس سے روکا گیا وہ کسی کو طعنہ دے کر یا الزام لگا کر اسے شرمندہ کرنا ہے۔ مسلمان ملّت واحدہ ہیں‘ لہٰذا کسی مسلمان کو طعنہ دینا دراصل اپنی ہی ملت کو داغ دار کرنا ہے۔

(۳) تحقیر آمیز نام رکھنا: تیسری برائی جس کا یہاں ذکر آیا وہ کسی شخص یا گروہ کا ایسا نام رکھنا ہے جو اسے ناگوار محسوس ہوتا ہو۔ کسی کی کوئی معذوری‘ کسی کمی یا کسی کے پیشے کی بنیاد پر اس کا بُرا نام رکھا جائے‘ یہ حرکت آج ہمارے معاشرے میں عام ہے۔ یہ انتہائی بزدلانہ اور گھٹیا حرکت ہے اور ایمان کے دعوی دار انسان کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ ایمان کے بعد ایسے نام رکھنا گناہ کی بات ہے۔ ایمان دار انسان دوسروں کے لیے امن کا باعث ہوتا ہے۔ کہاں ممکن ہے کہ کوئی ایمان والا کسی دوسرے کا برا نام رکھے اور اسے ذہنی اذیت دینے کی کوشش کرے۔ ان برائیوں میں ملوث ہونا بہت بڑا ظلم ہے۔

(۴) سُوئے ظن: آیت ۱۲ میں مذکور تین برائیوں میں پہلی برائی سوئے ظن یعنی برا گمان رکھنا ہے۔ کسی شخص کے ساتھ معاملے کا آغاز حسنِ ظن سے کرنا چاہیے۔ سوئے ظن بعض اوقات افسوس ناک اقدام کروا دیتا ہے۔ بدگمانی کی وجہ سے اکثر اوقات گھروں‘ دوستوں حتیٰ کہ قریبی رشتہ داروں میں بھی جھگڑے ہو جاتے ہیں اور پھر کاروبار میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض معاملات میں سوئے ظن کی صورت بن جاتی ہے‘ مثلاً کسی شخص یا گروہ کے معاملات‘ کردار اور سرگرمیوں میں

ناپسندیدہ علامات اتنی واضح ہوں کہ حسنِ ظن کا امکان ہی نہ رہے۔

(۵) جاسوسی کرنا (ٹوہ میں لگنا): دوسری بُرائی جس سے روکا گیا وہ تجسس کرنا یا کسی کی ٹوہ میں لگنا ہے۔ عام طور پر کسی سے حسد‘ بغض‘ دشمنی وغیرہ کی وجہ سے اس کے ذاتی معاملات کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس کو بدنام کیا جائے یا نقصان پہنچایا جائے۔ بعض اوقات کسی کو بلیک میل کرنے کے لیے اس کے ذاتی معاملات کی کھوج کرید کی جاتی ہے اور پھر اس کی تشہیر کی جاتی ہے یا اسکینڈل کھڑا کیا جاتا ہے اور پھر اسے بلیک میل کیا جاتا ہے۔ آج کل تو یہ حرکت عام ہے۔ بعض سیاسی جماعتوں کے غنڈے اور بدمعاش بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو ایک بڑا پلیٹ فارم میڈیا کا مل گیا ہے۔ وہاں پر لوگوں کی عزتیں اچھالی جاتی ہیں‘ ان کی ٹوہ میں لگ کر ان کی برائیاں تلاش کی جاتی ہیں اور پھر انہیں بدنام کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ سنن ابی داؤد کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج کرید نہ لگایا کرو۔ جو شخص لوگوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے درپے ہو جائے گا‘ اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے“۔ البتہ بعض صورتوں میں تجسّس جائز ہے۔ مثلاً کسی بھائی کی مدد کرنے کی نیت سے اس کے حالات معلوم کرنا‘ یا حکمرانوں کا رعایا کے مسائل حل کرنے کی نیت سے کسی کی مشکلات جاننے کی کوشش کرنا۔ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب رعایا مظلوم اور حاجت مند جبکہ حکمران خدا ترس ہوتے تھے۔ آج تو ہمارے حکمرانوں کو سب کچھ معلوم ہے کہ رعایا کس حال میں ہے‘ انہیں ٹوہ لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے باوجود بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ انہیں ہدایت عطا فرمائے!

(۶) غیبت کرنا: آخری برائی جس کا ان آیات میں ذکر ہے‘ وہ ہے غیبت کرنا یعنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرنا‘ اگر وہ برائی اس میں موجود ہو اور اسے اس کے سامنے بیان کیا جائے تو اسے بُرا لگے۔ اگر اس میں وہ برائی موجود ہی نہ ہو تو یہ بہتان لگانا ہے۔ غیبت کا گناہ اتنا ہی برا ہے جیسے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا۔ قرآن یہ مثال بیان کر کے کہتا ہے کہ یہ بات تمہیں بری لگے گی۔ غیبت کی بعض جائز شکلیں ہو سکتی ہیں‘ مثلاً ظالم کے خلاف مظلوم کا شکایت کرنا یا رپورٹ درج کروانا۔ عدالت میں کسی کے خلاف گواہی دینا تاکہ عدالت درست فیصلے تک پہنچ سکے۔ ایسے شخص کی بددیانتی کو بیان کرنا جو کاروبار یا لین دین کے معاملے میں امین اور سچا نہ ہو۔ قومی رہنماؤں پر تنقید کرنا جن کے سیرت و کردار‘ آراء و خیالات اور فیصلوں کے اثرات

اجتماعی معاملات پر پڑتے ہوں۔ حکمران اعلانیہ ظلم کرتے ہیں‘ قوم کو بیوقوف بناتے ہیں اور قوم کو لوٹتے ہیں تو عوام کو ان کے شر سے مطلع کرنے کے لیے آواز بلند کرنا۔ ایسے رہنماؤں پر تنقید کا مقصد ان کو بھی سمجھانا ہو کہ وہ جرم سے باز آئیں اور عوام کو بیوقوف بنا کر لوٹنے کی کوشش نہ کریں۔

مساواتِ انسانی کا عالمگیر نظریہ

آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝۱۳﴾

’’اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔‘‘

یہاں پر ہمارے سامنے ایک عالمگیر برادری کے تصور کے بارے میں ہدایت آ رہی ہے اور اس ہدایت کا تعلق پوری نوعِ انسانی سے ہے۔ اس آیت کا تعلق سورت کے دوسرے اور تیسرے دونوں حصوں سے ہے یعنی مسلمانوں کی باہمی شیرازہ بندی اور اسلامی معاشرے کا دیگر معاشروں کے ساتھ تعلق۔ وہ مجلسی برائیاں جن سے ملّت کی شیرازہ بندی متاثر ہوتی ہے وہ عام طور پر ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ فرمایا گیا کہ تمام انسان ایک خالق کی مخلوق اور ایک مرد اور عورت کی اولاد ہونے کے ناطے بالکل برابر اور عالمگیر برادری کا حصہ ہیں۔ اس بات کا تعلق سورت کے مضامین کے دوسرے حصے سے ہے۔ یہ پوری نوعِ انسانی کے درمیان وحدت کی اساس ہے۔ تمام انسان ایک خالق کی مخلوق اور ایک ہی والدین کی اولاد ہونے کی وجہ سے برابر ہیں۔ رنگ‘ نسل اور زبان کی بنیاد پر تعصبات کو اسلام کے سوا کوئی نظریہ ختم نہیں کر سکتا۔ امریکہ میں گورے اور کالے کی تفریق ختم نہ ہو سکی۔ بھارت جیسے سیکولر ملک میں بھی ذات پات کی تقسیم ختم نہ ہو سکی۔ اگر ہم مسلمان بھی ان باتوں کو اونچ نیچ کی بنیاد بنائیں تو ہم ظلم کر رہے ہیں۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
((یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ‘ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی

اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی)) ’’اے لوگو! بیشک تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارے والدین بھی ایک۔ سن لو! کوئی فضیلت نہیں ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔‘‘

اگر معاشرے میں برتری کی بنیاد دولت یا اقتدار نہ ہو‘ بلکہ اخلاق و تقویٰ ہو تو انسانوں کے مابین مسابقت مثبت اور مفید خطوط پر پروان چڑھتی ہے اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ انسانوں کی مختلف گروہوں اور قبائل میں تقسیم محض تعارف یعنی پہچاننے کی سہولت کے لیے ہے۔ اللہ ربّ العالمین کے نزدیک صاحبِ عزت وہ ہے جو متقی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلامی ریاست میں شہریت کی بنیاد

آیت ۱۴ میں فرمایا گیا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۴﴾

’’دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں‘ اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا‘ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے رہے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اسلامی ریاست میں شہریت کی بنیاد کیا ہوگی‘ اب اس پر گفتگو ہوگی۔ قرآن حکیم کی یہ واحد آیت ہے جہاں اسلام اور ایمان کی اصطلاحات مقابل کے طور پر لائی گئی ہیں۔ یہ الفاظ مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ چند مسلموں کے ایمان کے دعوے کی نفی کی گئی‘ لیکن ان کے اسلام کا اثبات کیا گیا۔ زبانی اقرار کو اسلام اور قلبی یقین کو ایمان کہا گیا ہے۔ اسلام عام ہے اور ہر مسلمان اس سے بہرہ ور ہے‘ لیکن ایمان خاص ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری و رحیمی کا اظہار ہے کہ اگر بغیر قلبی ایمان کے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے تو پورا پورا بدلہ ملے گا۔ امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ اس آیت میں جن نو مسلموں کا ذکر ہے وہ نہ مؤمن تھے

اور نہ ہی منافق۔ گویا وہ لوگ ایمان اور نفاق کے درمیان زیرو لیول کی کیفیت پر تھے۔ ایمان کا اپنا ایک نور ہے‘ اس سے بھی باطن میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسلام میں شہریت کی بنیاد اسلام ہے‘ جبکہ ایمان ایک باطنی حقیقت ہے جسے دنیا میں جانچا یا ناپا نہیں جا سکتا‘ لہٰذا اسلامی ریاست میں شہری حقوق زبانی اقرار یعنی اسلام کی بنیاد پر ہو سکیں گے۔ اس ریاست کے شہری صرف مسلمان ہوں گے اور غیر مسلموں کو ذمی بن کر رہنا ہوگا۔ ذمی اسلامی ریاست کی بالادستی کو قبول کرے گا۔ اس کو اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی آزادی ہوگی۔ جزیہ ایک ٹیکس کے طور پر اس پر عائد ہوگا جس کے نتیجے میں ریاست اس کے مال وجان اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ضامن ہوگی۔ البتہ اسلامی معاشرے کا دیگر معاشروں سے تعلق برابری کا ہوگا‘ جس کی بنیاد وحدتِ خالق اور وحدتِ والدین کے اصول پر ہوگی۔

ایمانِ حقیقی کے ارکان: اطاعتِ کامل اور جہاد فی سبیل اللہ

آیت ۱۵ میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮﴾

’’مؤمن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے‘ پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ سچے ہیں۔‘‘

آیت ۱۴ میں نومسلموں کے اسلام کا اثبات اور ایمان کی نفی کی گئی ہے‘ جبکہ اس آیت میں ایمانِ حقیقی کے دو ارکان بتائے گئے ہیں: (۱) باطن میں یقینِ قلبی یعنی انسان کی سوچ کا شک وشبہ سے پاک ہو کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے یکسو ہو جانا اور (۲) ظاہر میں جہاد فی سبیل اللہ یعنی مال وجان کے ساتھ اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جہاد کرنا۔ اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں۔ یہاں حقیقی ایمان کے ارکان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس شخص میں حقیقی ایمان ہوگا اس میں اسلام کے پانچ ارکان تو ہوں گے ہی‘ حقیقی ایمان کے یہ دو ارکان بھی موجود ہوں گے۔ بندۂ مؤمن کی جامع ومانع تعریف یہی ہے۔

آیت کے آغاز اور اختتام پر حصر کا اسلوب ہے۔ آغاز میں فرمایا گیا کہ بیشک مؤمن تو وہی ہیں اور اختتام پر فرمایا گیا کہ یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ

ایمانِ حقیقی کا رکن اور اہم دینی فریضہ ہے اور یہ ایک مکمل اور مستقل عمل ہے۔

اسلام اور ایمان: نعمتِ خداوندی

آیات ۱۶ تا ۱۸ میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱﴾

’’ان سے کہو کہ کیا تم اللہ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے‘ اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان مت رکھو‘ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کا راستہ دکھایا‘ اگر تم سچے ہو۔ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے‘ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔‘‘

ان نومسلموں کو مخاطب کر کے ایک اہم حقیقت بیان کی گئی ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ پر اپنے قبولِ اسلام کا احسان جتایا تھا۔ ایک رائے کے مطابق یہ قبیلہ بنی اسد کے لوگ تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ باقی لوگوں سے آپ کی جنگ ہوئی تب وہ ایمان لائے‘ ہم تو بغیر جنگ کے ایمان لے آئے ہیں۔ فرمایا گیا کہ کسی انسان کا مسلمان ہو جانا اللہ یا نبی اکرم ﷺ پر کوئی احسان نہیں‘ بلکہ یہ تو اللہ کا اس انسان پر احسان ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر اللہ نے تو اسلام سے آگے بڑھ کر ایمان کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اللہ بذاتِ خود جانتا ہے کہ کون اخلاصِ نیت سے ایمان لایا ہے اور کس کا دل ایمانِ حقیقی سے منور ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہر اور باطن میں یکسوئی عطا فرمائے اور اقرار کے ساتھ یقینِ قلبی والا ایمان بھی عطا فرمائے اور ایمانِ حقیقی اور جہاد فی سبیل اللہ کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین! ۞۞۞

فریضۂ اقامتِ دین:

اَسلاف کا تعامل (۳)

عبدالسلام عمر

مضمون کی طوالت کے باعث اس حصہ میں ہم بہت مختصراً اسلاف کی اس مساعی کا ایک طائرانہ جائزہ پیش کریں گے جس میں ہمارے اَسلاف نے علمی وسیاسی سطح پر دین کو قائم رکھنے اور قائم کرنے کی کوششیں کیں۔لیکن اس سے قبل یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسلام کو غالب کرنے کی منظّم جدوجہد فرمائی (اور غلبۂ اسلام کی اس عظیم مساعی کا جامع عنوان تھا: ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘) اور ۲۳ سالہ عظیم مساعی سے جزیرہ نمائے عرب میں دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرما دیا۔یعنی کل جنس دین (نظامِ زندگی) پر دین اسلام غالب آ گیا۔

تحفّظ وفریضۂ اقامتِ دین کی مساعی میں خلفاء راشدینؓ کا کردار

نبی اکرم ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اسلام کو غالب رکھا اور غلبۂ اسلام کو مزید توسیع دی اور یہ شجر خوب برگ وبار لایا۔ یہاں تک کہ انسانیت کی معراج یہی نظامِ زندگی تھا۔خلفاء راشدینؓ نے اسلام کے عدل وقسط کی جو مثالیں قائم کیں‘ اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا آج تک قاصر ہے اور اپنے طرزِ حکمرانی سے اس بات کو ثابت کیا کہ ’’اقامت دین‘‘ سے مقصود صرف حصولِ حکومت نہیں ہے بلکہ غلبۂ اسلام ہے۔البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ کی معیت میں ’’دین کو قائم کرنے‘‘ کے بعد اسے ’’قائم رکھنے‘‘ کے لیے علمی وسیاسی لحاظ سے ایک عظیم جدوجہد فرمائی اور اسے ترجیح اول کے طور پر رکھا۔ذیل میں ہم بخوفِ طوالت چند اشارات سے کام لیں گے۔

(۱) نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اقامت واحیاء دین کے لیے ایک مضبوط چٹان کی مانند

- ☆ لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا جس سے مقصود توسیع غلبۂ دین کا وہ مبارک کام تھا جس کی بنیاد آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے رکھ گئے تھے۔
- ☆ فتنۂ ارتداد کا خاتمہ فرمایا۔
- ☆ منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف تادیبی کارروائی فرمائی۔
- ☆ قرآن مجید کی جمع وتدوین کے لیے اہتمام فرمایا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت نے غلبۂ اسلام کو جو استحکام بخشا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غلبۂ اسلام کی توسیع میں ایک مضبوط بنیاد میسر آ گئی اور آپؓ کا دورِ خلافت اسلام کا سب سے سنہری دور ثابت ہوا۔ چنانچہ غلبہ واقامتِ دین کی توسیع کے حوالے سے اس دور کے نمایاں نکات درج ذیل ہیں:

- ☆ سلطنتِ اسلام کا داخلی استحکام اور اس کے لیے اقدامات۔
- ☆ مجلسِ شوریٰ کی تشکیل۔
- ☆ صوبہ جات کی تقسیم اور صوبائی عہدے دار۔
- ☆ عہدیداروں کے انتخاب کا معیار اور ان کی تربیت کا اہتمام۔
- ☆ عہدیداروں کے اختیارات‘ فرائض اور ان کے احتساب کا طریق کار۔
- ☆ محکمہ عدل وانصاف۔
- ☆ محکمہ محاصل۔
- ☆ محکمہ آب پاشی وزرعی اصلاحات‘ نہروں‘ راستوں کا بندوبست۔
- ☆ حکومت کے ذرائع آمدنی اور بیت المال کا قیام اور اس کی حفاظت۔
- ☆ شعبہ تعلیم‘ مساجد کی تعمیر‘ حرم اور مسجد نبوی ﷺ کی توسیع اور اسلام کی تبلیغ کے لیے اہتمام۔
- ☆ رفاہ وکفالتِ عامہ (رعایا کی خبر گیری‘ عام حالات میں رعایا کی بہبود کے لیے اقدامات‘ یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش‘ مساوات)
- ☆ عدل وانصاف کی فراہمی کے لیے ایک مربوط عدالتی نظام کی تشکیل۔
- ☆ غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ‘ جزیہ کی وصولی کا طریق کار بہتر بنانا۔

☆ محکمہ دفاع، باقاعدہ منظم فوج کا قیام، فوجی چھاؤنیوں کا قیام، فوج کی تنخواہیں اور ان کے لیے دیگر مراعات۔

غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کی توسیع کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا عمل (فتوحات)

سلطنتِ فارس (ایران) پر غلبۂ اسلام (اقامتِ دین)

☆ جنگ نمارق، جنگ جسر، جنگ بویب، جنگ قادسیہ، جنگ مدائن، معرکہ جلولا، تکریت اور اہواز کی فتح، رامہز اور تستر کی فتح، جنگ نہاوند اور مکمل ایران کی تسخیر۔

سلطنت روم پر غلبۂ اسلام (اقامتِ دین)

☆ فتح دمشق، فتح اردن، جنگ یرموک، حلب، قنسرین، انطاکیہ کی فتح، بیت المقدس کی فتح، مصر، طرابلس، اور برقہ کی فتح، سلطنت رومہ کے اکثر مقبوضات کا خاتمہ۔

دیگر اہم فتوحات برائے غلبۂ اسلام (اقامتِ دین)

☆ آرمینیا کی جنگ، کرمان اور سیستان کی جنگ، خراسان کی فتح، اسکندریہ کی فتح، مکران اور سندھ کی مہمات۔

(۳) حضرت عمر ؓ کے بعد حضرت عثمان غنی ؓ نے غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کے لیے اپنے پیش رو خلفاء کے طرزِ عمل کو جاری رکھا۔ آپ ؓ نے سلطنت کا داخلی استحکام حضرت عمر ؓ کی طرز پر قائم رکھا اور چند ایک انتظامی تبدیلیاں فرمائیں۔ آپ کے دور میں غلبۂ اسلام کے حوالے سے ہونے والے نمایاں اقدامات درج ذیل ہیں:

☆ **تجمیع** وتحفظ قرآن حکیم۔

☆ مسجد نبوی ﷺ میں توسیع۔

☆ بیت اللہ میں توسیع۔

☆ مدینہ منورہ کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لیے بند کی تعمیر۔

غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کے لیے ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ کی مساعی جمیلہ (فتوحات)

☆ آرمینیا اور آذربائیجان میں بغاوت کا خاتمہ۔

☆ رومیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ۔

☆ شمالی افریقہ کی فتوحات۔

☆ طرابلس کی فتح۔

☆ اسکندریہ کی بغاوت کا خاتمہ۔

☆ فارس، خراسان اور طبرستان میں فتوحات اور یزدگرد کا خاتمہ۔

☆ مصر کی بغاوت کا خاتمہ۔

☆ بحری مہمات: اناطولیہ اور قبرص کی فتوحات۔

حضرت عثمان ؓ کے دورِ خلافت میں ’’فتنہ سباء‘‘ نے سر اٹھایا اور عارضی طور پر غلبۂ اسلام کی توسیع کا یہ عمل رک سا گیا اور بدقسمتی سے مسلمانوں کے مابین خونریز جنگیں ہوئیں۔ جس کے بعد حضرت علی ؓ کے دور میں سلطنت اسلام داخلی مسائل سے دوچار رہی اور بالآخر خلافت سے ملوکیت کا سفر طے ہوا۔

خلافت راشدہ کا دور جمیل نبوت کا تتمہ اور عکاس تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انسانی اجتماعیات کو جس بلندی و رفعت پر پہنچایا آج کا انسان اس کے تصور سے بھی عاری ہے۔ آج کا انسان مغربی جمہوریت کو معراج انسانیت سمجھ رہا ہے جس میں ’’بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے‘‘۔ کہاں وہ تصورِ عظیم کہ اللہ کے بندوں کو انسانوں کی بندگی و غلامی سے نجات دلا کر قومیت، علاقائیت، لسانیت، نسلیت اور تعصب ایسے مہیب اندھیروں سے نکال کر خالص نظریاتی سطح پر انسانی اجتماعیات کو تشکیل دینا، جس میں ’’لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی، کُلُّکُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ‘‘ کی اعلیٰ و ارفع صدا لگائی گئی اور کہاں انسانیت کو قومیتوں، لسانیت، علاقائیت، وطنیت میں تقسیم کرنے والی، خدا بیزار، مذہب بیزار اور انسانیت کی باہمی دشمنی پر مبنی سرمایہ داروں اور سرمایہ دارانہ نظام کے زور پر چلنے والی جمہوریت! ؏ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا!

خلافت راشدہ سے متصل دور

حقیقت یہ ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا حسین و جمیل دور اُمت کے حافظہ میں ایک حسین خواب کی مانند محفوظ رہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو اس تبدیلی کو صحابہ کرام ؓ نے بہت شدت سے محسوس کیا اور اس کی بحالی کے لیے شروعات میں ہی

صاحب عزیمت افراد نے بھرپور کوشش کی۔ صحابہ کرامؓ اور ان سے متصل دور میں دین کو قائم رکھنے کی مساعی کا طائرانہ جائزہ پیش خدمت ہے۔ یہ بات مستحضر رہے کہ اس دور میں جتنا کچھ بدلا تھا اور جتنے کچھ میں اصلاحِ احوال کی ضرورت تھی اتنی ہی کوشش ان اصحابِ عزیمت نے فرمائی۔ اور ایسا کچھ نہیں ہوا تھا کہ سارے کا سارا دین ہی زمین بوس ہو گیا ہو‘ بلکہ بقول شاہ اسمٰعیل شہیدؒ دین کی چھ منزلوں میں سے اوپر کی منزل یعنی شورائیت کا نظام ختم ہوا تھا جس کی جگہ خاندانی بادشاہت نے لے لی تھی‘ جبکہ ابھی باقی نظام زندگی دینِ اسلام کے مطابق ہی چل رہا تھا۔ مگر صحابہ کرامؓ دین میں ادنیٰ سے ادنیٰ تبدیلی کو بھی برداشت نہ فرماتے۔ چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلے جناب سیدنا حسینؓ اٹھے اور بھرپور آواز اٹھائی۔ یہاں تک کہ اس راہ میں اپنی جان مع اہل وعیال کے جانِ آفریں کے سپرد کرتے ہوئے عزیمت کی وہ درخشاں مثال قائم فرما گئے کہ رہتی دنیا تک لوگ اسے یاد رکھیں گے۔ حضرت حسینؓ کے بعد جناب سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اٹھے اور انہوں نے بھی اس راہ میں شہادت کا مرتبۂ عظیم پایا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی مساعی جمیلہ

دَورِ بنواُمیہ میں اور بھی اصحابِ عزیمت اسی کوشش میں رہے کہ اسلام کے اس دورِ حسین کی بازیافت ہو سکے۔ اس دور کی نہایت اعلیٰ شخصیت جناب عمر بن عبد العزیزؒ نے دوبارہ اس حسین وجمیل خواب کو تازہ کرنے کی مساعی جمیلہ فرمائی جس کا مختصراً احوال کچھ یوں ہے۔

جناب عمر بن عبد العزیزؒ کو ۳۷ سال کی عمر میں ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ آپؒ نے بیعت لیتے وقت ہی خلافتِ راشدہ کے اصولِ شورائیت کو زندہ کر دیا اور لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنی رضا سے چاہیں تو اہل سمجھتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ آپؒ کے پہلے خطبہ کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

’’لوگو! مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے‘ اس سلسلے میں نہ عام مسلمانوں سے رائے لی گئی ہے اور نہ مجھ سے پوچھا گیا ہے۔ میں خلافت کا خواہاں نہیں تھا۔ میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے‘ میں تمہیں اس سے آزاد کرتا ہوں۔ اب تم جس کو پسند کرلو اسے اپنا خلیفہ مقرر کرلو۔‘‘

لوگوں نے آپؒ کی خلافت پر اتفاق فرمایا اور بیعت کر لی۔ بیعت کے فوراً بعد آپؒ نے اپنا پہلا خطبہ دیا جس میں احیائے اسلام کے حوالہ سے اپنے عزم کا اظہار فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے جو احکامات بھیجے ہیں وہ قیامت تک کے لیے حرفِ آخر ہیں۔ میں اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا بلکہ صرف احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں۔ لوگو! جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو‘ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔ میں تم میں سے ممتاز شخص نہیں ہوں بلکہ معمولی شخص ہوں‘ البتہ اللہ نے مجھے تمہارے مقابلے میں زیادہ ذمہ دار بنا دیا ہے۔‘‘ (طبقات ابن سعد)

آپؒ نے تحفظ واقامتِ دین کے لیے جو اصلاحات فرمائیں ان میں نمایاں درج ذیل ہیں:

☆ آپؒ نے خلافتِ راشدہ کا دوبارہ احیاء فرمایا۔

☆ آپؒ نے خلفاءِ راشدین کا سا طرز زندگی اختیار فرمایا اور جو طریقے قیصر وکسریٰ کی طرزِ بادشاہت سے مسلمان بادشاہوں میں رواج پا گئے تھے سب کو ترک کر ڈالا۔

☆ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے امتیازات کو ختم کر ڈالا اور مسلمانوں میں خلفاءِ راشدینؓ کے زمانے میں ہونے والی مساوات قائم فرمائی۔

☆ غصب شدہ اموال اور جائیدادوں کو ان کے اصل مالکوں کے حوالے کیا اور اپنے خاندان سے حکومتی جاگیریں واپس لے لیں۔

☆ ظالم گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ صالح اور خدا ترس گورنروں کو تعینات کیا۔

☆ ظالمانہ ٹیکسوں کا خاتمہ فرمایا اور نظامِ زکوٰۃ کی اصلاح فرمائی۔

☆ غیر مسلم رعایا سے حسنِ سلوک اختیار فرمایا اور ان پر ہونے والے مظالم کا خاتمہ فرمایا۔

☆ عدالتی نظام کو حکومتی اثر ورسوخ سے آزاد کر کے اس میں دورِ فاروقی کی عادلانہ شان پیدا فرمائی۔

☆ علمِ حدیث کو مدوّن کرنے کے سرکاری احکامات جاری فرمائے۔

☆ اتباعِ شریعت کی رُوح کو تازہ فرمایا اور عوام الناس کی تربیت کا بندوبست فرمایا‘ جس سے ان میں دوبارہ خوفِ الٰہی وفکرِ آخرت عام ہونے لگا۔

ان چند سطور میں اگرچہ آپؒ کی عظیم جدوجہد کا احاطہ نہیں ہو سکتا مگر کچھ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے اور ہمارا مقصود اس مضمون سے صرف اتنا ہے کہ ہم اقامت وتحفظ دین کی مساعی کا ایک خاکہ پیش کر سکیں۔ وگرنہ یہ مضمون بہت طویل ہے‘ اور جس قدر الفاظ میں لکھنا آسان ہے اسی قدر

قربانیوں میں پیش کرنا مشکل ہے۔ یہاں تک آپؒ نے اس کام میں اپنی جان تک پیش فرمادی اورصرف دوسال کی قلیل مدت کے بعد شہادت کا رتبہ پایا۔

تحفظ واقامتِ دین کی مساعی میں ائمہ اربعہ اوران کے شاگردوں کا کردار

تحفظ واقامت دین کی مساعی کے لیے حضرت زید بن علیؒ‘ نفس زکیہؒ اور سید ابراہیمؒ جیسے اولوالعزم لوگ اٹھے اوران کی بات کی صداقت اس وقت کے فقہاء وعلماء نے بھی کی اوراپنے بس پڑتے ان کا ساتھ بھی دیا۔

امام ابوحنیفہؒ: جیسا کہ عرض کیا گیا‘ خلافت راشدہ کی حسین یادیں ہرمسلمان کے دل میں پیوست تھیں اور ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ وہ نظام زندگی جواسلام کی حقیقی تصویر تھا‘ دوبارہ بحال ہوجائے اوراس کارعظیم کے لیے جو بھی صدا بلند کرتا اور سعی شروع کرتا اہل حق اس کا ساتھ دینے کوسعادت سمجھتے تھے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی زید بن علیؒ ‘ نفس زکیہؒ‘ سید ابراہیمؒ اور ایسے اولوالعزم لوگوں کا ساتھ دیا جوخلافت راشدہ کے دور کی بحالی چاہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ ابوجعفر منصور کے مقابلے میں علی الاعلان ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے خروج کی حمایت فرماتے تھے۔ آپؒ کے براہ راست شاگرد امام زفر بن ہذیل کی یہ شہادت ہے کہ:

کان ابو حنیفہ یجھر بالکلام ایام ابراہیم جھارًا شدیدًا

’’ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے زمانے میں (ابراہیم کی حمایت میں) امام ابوحنیفہؒ علانیہ بلند آواز سے گفتگو فرماتے اور بہت زیادہ بلند آواز میں۔‘‘

نہ صرف یہ بلکہ امام صاحب لوگوں کواس بات کی ترغیب دیتے کہ ابراہیم کا ساتھ دیں۔

☆ آپؒ نے اس مرحلے پر اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی فرمائی اور اپنے قول وعمل سے اہل حق کا ساتھ دیا۔ آپؒ اس کام کوکتنی اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہوسکتا ہے کہ کوفہ کے مشہور محدث ابراہیم بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے خروج کے زمانے میں دریافت کیا کہ حج جوفرض ہے اس کے ادا کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے کہ (نفلی) حج کرنا بہتر ہے یا اس شخص یعنی ابراہیم کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے؟ ابراہیم بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے

دیکھا کہ یہ سنتے ہی امام ابوحنیفہؒ فرمارہے ہیں کہ اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج (نفلی) سے زیادہ افضل ہے۔ (بحوالہ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی)

☆ امام صاحب نے ان حضرات کا ساتھ دیا اوراس کی خبر حکومت وقت کو ہوئی اورآپؒ نے حکومتی عہدے قبول کرنے سے بھی اسی وجہ سے متعدد بار انکار فرمایا کہ آپؒ اسے حق کام نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ کبھی آپؒ کوکوڑوں کی سزا برداشت کرنی پڑی توکبھی قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ یہاں تک کہ آپؒ نے اسی قید وبند کی حالت میں اپنی جان تک اللہ کی راہ میں قربان کردی اورشہادت کا عظیم رتبہ پایا۔

☆ آپؒ نے فقہ اسلامی کی تدوین کے لیے چالیس فقہاء کی ایک مجلس تشکیل دی جس میں لاکھوں مسائل کو جن کا تعلق انفرادی واجتماعی زندگی سے ہے‘ مدوّن کیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس مجلس میں پانچ لاکھ کے قریب مسائل مدوّن کیے گئے۔

☆ امام صاحبؒ نے علمی میدان میں اسلام کے غلبہ کے لیے ایک عظیم سعی فرمائی اور قانونِ اسلامیہ کی تشکیل وتدوین میں ایسا کارنامہ انجام دیا جس سے اسلامی حکومتوں کی رہنمائی فرمائی اورآپ نے کلیات سے جزئیات اوراصول سے فروع مستنبط کرنے کا کام کیا جس کی روشنی سے بعد میں آنے والے تمام مجتہدین نے فائدہ اٹھایا اورآپؒ امام اعظم کہلائے۔

☆ آپؒ نے اسلامی معاشرت‘ معیشت‘ سیاست اورقانونی پہلوؤں سے فقہی ضروریات کو پورا کیا اورکمال یہ ہے کہ یہ سارا کام بغیر کسی حکومتی مداخلت واعانت کے فرمایا۔

☆ امام ابوحنیفہؒ کے چار شاگرد مشہور ہوئے‘ جن میں دو نے خوب شہرت پائی اور فقہ حنفی کی تشکیل میں ان کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہے۔ یہ ہیں امام محمد حسن شیبانیؒ اور امام ابویوسفؒ۔ امام محمدؒ جوامام ابوحنیفہؒ اورامام مالکؒ دونوں کے شاگرد ہیں‘ نے فقہ حنفی کی بنیادی کتب مدوّن کیں جن میں انفرادی مسائل سے لے کر ریاست کے اجتماعی مسائل تک زیربحث لائے گئے ہیں اور اس وقت کی اسلامی حکومتوں اور بادشاہوں کی اصلاح و معاونت کی گئی ہے۔ مثلاً ’’کتاب السیر‘‘ انٹرنیشنل لاء پر ہے جواس وقت کی ضرورت تھی اوراس کی تصنیف پر بادشاہ وقت نے جشن منایا تھا۔ اسی طرح ’’کتاب الخراج‘‘ میں اسلامی حکومت کے مالی مسائل وریاستی خزانہ کے متعلق رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ علمی سطح پر

اسلام کے غلبہ کے حوالہ سے یہ نہایت اہم کام تھے۔

امام مالکؒ: آپؒ نے علمِ حدیث کی خدمت سرانجام دی اور قانونی اعتبار سے حدیث سے ضروریاتِ سلطنت کی رہنمائی فرمائی اور ساتھ ساتھ علمِ حدیث کا تحفظ فرمایا۔ آپؒ نے حکومت وقت کے غیر شرعی کاموں کی ڈٹ کر مخالفت کی، یہاں تک کہ آپؒ جیسے عظیم انسان کو چہرہ سیاہ کر کے گدھے پر مدینہ کی گلیوں میں پھرایا گیا اور ایسی سزا دی گئی کہ آپؒ کے شانے اتر گئے۔

امام شافعیؒ: آپؒ نے اصول فقہ مرتب فرمائے اور ''الرسالہ'' جیسی عظیم الشان کتاب تحریر فرمائی۔ اسی طرح ''کتاب الام'' بھی آپ کی ایک اہم تحریر ہے۔ فقہ شافعی کے مشہور عالم ابوالحسن ماوردیؒ نے اسلامی سلطنت و ریاست کے حوالے سے اہم ترین کتاب ''احکام السلطانیہ'' تحریر فرمائی جو آج بھی سیاسیات اسلامیہ میں کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ: آپؒ نے ایک جانب حدیث مبارکہ اور فقہ میں خدمات سرانجام دیں اور مسند احمد ایسی جامع و ضخیم کتاب تحریر فرمائی اور دوسری جانب مسئلہ خلقِ قرآن میں مامون، معتصم اور واثق تینوں نے آپؒ پر مصائب کے پہاڑ توڑے لیکن آپؒ نے پوری استقامت سے مقابلہ فرمایا۔

آپؒ نے حکومت کے خلاف خاموش اور مسلسل احتجاج سے مسلمانوں کو استقامت و عزیمت کا درس دیا۔

فقہ حنبلی میں جناب امام ابن تیمیہؒ نے ''الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة'' ایسی عظیم الشان کتاب لکھی۔

ہم ایک بار پھر عرض کریں گے کہ ہم نے جلدی میں چند ایک نمونے درج کیے ہیں تاکہ اقامت و تحفظِ دین کے حوالے سے اپنے اَسلاف کی علمی و سیاسی خدمات ہمارے پیش نظر رہیں اور یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ انہوں نے یہ کام محض علمی مشغلہ کے طور پر نہیں کیا تھا بلکہ اسلامی ریاست کی ضروریات، دین کو قائم رکھنے، دین اور علم نبوت کے تحفظ کے لیے کیا اور اس میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔

اس کے علاوہ محدثین کرام نے علمِ حدیث کے تحفظ کے لیے جو کام کیا وہ تاریخ انسانی و اسلامی کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے اور تحفظ علم نبوت کا شاندار باب ہے۔

امام غزالیؒ: آپؒ پانچویں صدی ہجری کے ممتاز معلم، مصلح، فلسفی اور مجدد تھے۔ آپؒ نے علمی

میدان میں غلبۂ اسلام کے حوالے سے فلسفہ اور باطنیت کا مقابلہ فرمایا اور اسلام پر ہونے والے ہر اعتراض کا مدلّل جواب دیا، بلکہ فلسفہ یونان کی جڑیں کھوکھلی کر ڈالیں۔ آپؒ نے علومِ عقلیہ اور دینی عقائد کی تطبیق فرمائی۔ آپؒ نے ایک نیا نظام تعلیم متعارف کروایا جس میں علومِ دینیہ و دنیوی علوم کے فرق کو مٹانے والی تجاویز پیش کیں اور آپؒ کی اصلاحات کو سراہا گیا۔ آپؒ نے علماء، مشائخ، سلاطین اور عوام کی زندگیوں میں معاشرت و اخلاق کے حوالے سے جو بگاڑ آ چکا تھا اس کی اصلاح فرمائی۔ آپؒ نے احکامِ شریعت کے اسرار و حکم بیان فرمائے جس سے عوام و خواص میں شریعت کی دل پذیری میں اور اضافہ ہوا۔ آپؒ نے فرقہ بندی کی بھی خوب مخالفت کی اور آپؒ کی سعی کی وجہ سے فرقہ بندی کی کمر ٹوٹ گئی۔ آپؒ نے اپنی تحریروں اور خطبات میں حکومت کو خلافت راشدہ کی طرز پر استوار کرنے کی دعوت دی۔

امام ابن تیمیہؒ: آپؒ ساتویں صدی ہجری کی ممتاز شخصیت ہیں۔ آپؒ قلم، زبان اور تلوار تینوں میدانوں کے عظیم سپہ سالار رہے ہیں۔ آپؒ مجاہد اور مجدد ہیں۔ آپؒ کی ساری زندگی اسلام کو علمی و سیاسی طور پر غالب کرنے کی جدّوجہد میں گزری۔ علمی سطح پر آپؒ نے علوم دینیہ و دنیویہ کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر کسا۔ آپؒ نے معقولاتی طرز استدلال کو چھوڑ کر فطری طرز استدلال اختیار فرمایا جو قرآن وسنت سے نسبتاً زیادہ قریب اور عام فہم تھا۔ تقلید جامد کے خلاف آواز اٹھائی اور اجتہاد کا راستہ اپنایا۔ اعتقادی و اخلاقی گمراہیوں کے ساتھ ساتھ بدعات اور مشرکانہ رسومات کے خلاف جہاد فرمایا۔ آپؒ نے نصرانیوں اور تاتاریوں کا مقابلہ قلم و تلوار دونوں سے فرمایا اور عملاً ''جہاد بالسیف'' بھی کیا۔ یونانی فلسفہ فکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ''الرّد علی المنطقیین'' ایسی عظیم کتاب لکھی جو امام غزالیؒ کے بعد فلسفہ یونان کے لیے مسکت جواب ثابت ہوئی۔ آپؒ نے علماء، مشائخ اور عوام کے ساتھ ساتھ سلاطین کی اخلاقی، اعتقادی اور معاشرتی اصلاح فرمائی۔ امام ابن تیمیہؒ کو کئی بار جیل میں ڈالا گیا اور آخری بار بڑھاپے کی حالت میں آپؒ کو قید و بند کی سخت اذیتیں دی گئیں، یہاں تک کہ قلم و قرطاس تک چھین لیے گئے۔ آپؒ کوئلے سے دیواروں پر لکھتے۔ پھر جب کوئلہ بھی ختم ہو گیا تو قرآن مجید کی تلاوت میں محو رہتے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں دورانِ قید آپؒ نے شہادت کا رتبہ عظیم پایا۔

شیخ احمد سرہندیؒ: مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا شمار اُن اصحابِ عزیمت میں ہوتا ہے جنہوں

نے ہندوستان میں دینِ اسلام کو اکبر کے ’’دینِ الٰہی‘‘ کے سامنے مغلوب ہونے سے بچایا۔ آپؒ نے اسلام کے علمی اور سیاسی غلبہ کے لیے ایسی اعلیٰ وارفع جِدّوجُہد کی کہ آپؒ بجا طور پر ہند میں سرمایہ ملت کے نگہبان کہلائے۔ چنانچہ ایک جانب آپؒ نے تصوف میں وحدت الوجود کے راستے ہمہ اوستی خیالات کی ترویج کے آگے بند باندھا‘ تصوف کا رشتہ شریعت سے جوڑا اور سنت مطہرہ کی روح پھونکی اور دوسری جانب ایسا طریقہ اصلاح اختیار فرمایا جس سے بادشاہ کے مقربین آپؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونا شروع ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر جہانگیر آپ کا معتقد ہوا اور اپنے بیٹے شاہجہاں کو بھی آپؒ کے حلقہ ارادت سے وابستہ کر گیا۔ دینِ الٰہی کی تمام خرافات ختم ہو گئیں اور اسلام کے روشن چہرے پر پڑی گرد ہٹ گئی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی تربیت بھی آپؒ کے حلقہ ارادت سے وابستہ افراد کے ہاتھوں ہوئی‘ جس کے عہد میں ہندوستان میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوئی۔ آگے چل کر آپؒ کے سلسلہ کا فیض تھا کہ شاہ ولی اللہ‘ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ‘ شاہ غلام علیؒ‘ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ وغیرہم ایسے عظیم علماء وفقہاء وصلحاء پیدا ہوئے۔

شاہ ولی اللہؒ: شاہ ولی اللہ ایک ہمہ گیر مصلح‘ مجدّد اور فلسفی تھے۔ آپؒ کی مساعی جلیلہ کا چند سطروں میں ذکر بہت زیادتی ہے‘ مگر مضمون کی طوالت کا خوف مانع ہے اور ہمارا مقصود بھی تاریخ یا سوانح عمری نہیں بلکہ اقامت وغلبۂ دین کے لیے اسلاف کی کوششوں کا انتہائی اجمالی تذکرہ ہے۔ چنانچہ آپؒ نے اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر پیش فرمایا اور ثابت کیا کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ آپؒ نے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ فرمایا اور اُمت مسلمہ کی اصلاح وتربیت کو اس کی اصل ثابت قرآن حکیم سے جوڑنے کی عظیم کاوش فرمائی۔ یہ کاوش اللہ پاک کے ہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ آپؒ کے بعد ہندوستان میں قرآن مجید کی جانب توجہات منعطف ہوئیں اور ترجمہ وتفسیر قرآن کے بے شمار کام ہوئے‘ اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے مختلف شخصیات نے جدوجہد فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ پاک وہند میں قرآن فہمی کا تقریباً سارا کریڈٹ شاہ صاحبؒ اور آپؒ کے خانوادے کو جاتا ہے۔ ان مساعی میں شاہ عبدالقادرؒ کا اردو ترجمہ‘ شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیر عزیزی‘ شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ اور شاہ عبدالغنیؒ کی خدماتِ حدیث سب شامل ہیں۔ ان سب کے علاوہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی تحریک اقامتِ دین بھی

آپؒ کی مساعی جمیلہ کی باقیات الصالحات ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کے کام کو اس کی اصل ثابت قرآن حکیم سے جوڑا اور حدیث نبوی ﷺ کی اہمیت کو اُجاگر فرمایا۔ آپؒ نے اپنے آپ کو دورِ جدید کا فاتح قرار دے کر ’’فَکُّ کُلِّ نِظَامٍ‘‘ کا واشگاف نعرہ بلند فرمایا اور اس بات کی تصریح فرمادی کہ نبی اکرم ﷺ کی تمام تر مساعی یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا ہدف ومرکزی نکتہ اقامت دین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے آیت: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی...﴾ کو پورے قرآن کا عمود قرار دیا۔ آپؒ نے علماء ومشائخ اور سلاطین واعیانِ حکومت کو ان کا فرض یاد دلایا۔ آپؒ کی نظر مسلمانوں کی سیاسی صورت حال اور حکومتوں پر بھی نہایت گہری تھی۔ اس بات کے غماز آپؒ کے سیاسی خطوط ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے ہندوستان میں مرہٹوں کے مقابلے کے لیے احمد شاہ ابدالیؒ کو دعوتِ جہاد دی جس سے مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہوا۔ آپؒ نے اسلام کے سیاسی‘ معاشی اور معاشرتی نظام پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اسی طرح حکمتِ دین پر امام غزالیؒ کی طرح کام کیا اور اسلامی حکومت کے خدوخال خلافت راشدہ کی روشنی میں واضح فرمائے۔

وہابی تحریک

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ ایک عظیم مصلح‘ مبلّغ اور مجدّد تھے۔ آپؒ کی ساری کاوشیں اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اقامتِ دین کے لیے تھیں۔ چنانچہ حضرت شیخؒ نے جہاں ایک جانب توحید‘ ترکِ شرک و بدعات کی بھرپور دعوت دی‘ وہیں آپؒ کا خیال تھا کہ بغیر حکومت واقتدار کی معاونت کے غلبۂ دین کا کام ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ آپؒ نے عثمان بن معمر امیر عیینہ سے خط وکتابت فرمائی اور اسے اس کام کے لیے قائل کیا۔ آپؒ نے عثمان بن معمر کو غلبہ اسلام کی دعوت ان الفاظ میں دی:

انی ارجو ان انت قمت بنصر لا الٰہ الاّ اللّٰہ ان یظھرک اللّٰہ تعالٰی وتملک نجدًا واعرابھا۔

’’میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر آپ لا اِلٰہ اِلا اللہ کی مدد کرنے اُٹھ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ آپ کو نجد وملحقہ علاقوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔‘‘

حضرت شیخؒ کی دعوت کی اصل بنیاد ’’لا اِلٰہ اِلا اللہ‘‘ یعنی توحید کی دعوت تھی۔ آپؒ نے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی دعوت دی۔ آپؒ نے قبر پرستی‘ قبہ پرستی‘ غیر اللہ سے مدد مانگنا‘ مشرکانہ عقائد واعمال

سے منع فرمایا۔ آپؒ نے سنت نبوی ﷺ کا احیاء فرمایا اور بدعات کا قلع قمع کیا۔ معاملات میں دین اسلام کا احیاء فرمایا۔ قرآن مجید کے احکامات کے مطابق حکومت کو اقامت صلوٰۃ‘ تنفیذ زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بنیادوں پر استوار فرمایا۔

تحریک مجاہدین

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ: شاہ اسماعیل شہیدؒ خانوادہ ولی اللّٰہی کے چشم وچراغ تھے۔ آپؒ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ آپؒ نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کی دعوت‘ تبلیغ اور غلبہ واقامت دین کی جدوجہد میں صرف کر دی اور اسی راہ میں شہادت کا عظیم رتبہ پایا۔ آپؒ کی مساعی جلیلہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ آپؒ نے اسلام کے علمی غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے عالمانہ سعی فرمائی جس میں آپؒ نے اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو نکھار کر پیش فرمایا۔ درس وتدریس کے ذریعہ عوام میں اسلام کے غلبہ کا شوق پیدا فرمایا اور ایسے علماء تیار فرمائے جنہوں نے امت کی اس حوالے سے رہنمائی کی۔ شرک وبدعت اور غیر اسلامی رسوم ورواج کے خلاف زبان وقلم سے جہاد فرمایا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک کو علمی وفکری غذا فراہم کی اور مختلف علاقوں کے دورے کر کے تقویت بخشی جس سے تحریک کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ عوام الناس میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا شوق وجذبہ پیدا کیا اور اس کے لیے مجاہدانہ ریاضتیں اور مشقیں فرمائیں۔ پھر یہ کہ ایک منظم تحریک کا حصہ بنے اور علمی اعتبار سے اپنے سے کم تر مجاہد (سید احمد شہیدؒ) سے بیعت کی اور جہاد بالسیف فرما کر دورِ صحابہ کی یاد تازہ کر دی۔

سید احمد شہیدؒ: آپؒ ایک عظیم مجاہد تھے۔ آپؒ کی تعلیم وتربیت میں شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کو بڑا دخل حاصل رہا۔ آپؒ نے مولانا عبدالحئی اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی معیت میں مختلف علاقوں کے دورے کیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ جگایا جس سے ایک عظیم تحریک برپا ہوئی جسے آج ہم ’’تحریک شہیدین‘‘ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جس تحریک نے دورِ صحابہ کے نقوش تازہ کیے۔ آپؒ نے سکھوں اور انگریزوں سے جہاد فرمانے کا عزم پیدا کیا اور عملاً طویل اسفار کر کے پشاور کے علاقہ میں (مختصر عرصہ کے لیے) شریعت کی بالادستی قائم فرمائی اور دورِ خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ اپنوں کی غداری اور اغیار کی چالاکی کے باعث آپؒ کی تحریک بظاہر جلد ہی ناکامی سے دوچار ہو گئی‘ مگر آپؒ اور آپ کے ساتھ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور

ہزاروں مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرما کر ابدی کامیابی حاصل کی اور رہتی دنیا تک عظمت کے نقوش چھوڑ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک نے بعد میں اٹھنے والی تمام تحریکوں کے لیے غلبہ و اقامت دین کی سعی اور جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ کو بیدار رکھنے کے لیے علمی وعملی لحاظ سے عظیم رہنمائی کا کام کیا۔ دیکھا جائے تو یہ سب شاہ ولی اللہؒ کی پیدا کردہ تعلیمات وجذبہ اعلائے کلمۃ اللہ کا تسلسل ہے اور ان کے بعد برصغیر میں ہونے والی تمام تر مساعی اسی تحریک اقامت دین کا تسلسل ہے۔ جس کا مختصراً ذکر ابھی آیا چاہتا ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وسید احمد شہیدؒ کی تحریک کی ناکامی کے بعد بھی مختلف علاقوں میں مختلف شخصیات کی زیر نگرانی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جاری رہا‘ تا آنکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریز اور انگریزی نظام کا مکمل غلبہ ہوا اور عام مسلمان خصوصاً علماء کرام شدید زیر عتاب آئے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ شریعت کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا اور انگریز کے بنائے ہوئے قانون کو قانون عام کا درجہ حاصل ہو گیا۔ مختلف علاقوں میں قائم مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی تمام حکومتوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہم یہ فرق پہلے ہی بتلا چکے ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں نے دورِ ملوکیت میں سلطان متغلب کو بادلِ نخواستہ قبول کر لیا تھا مگر شریعت کی مکمل منسوخی کا یارا کسی جابر سے جابر مسلمان بادشاہ کو نہیں ہوا اور بادشاہوں کے ظلم وجور‘ اَلسُّلْطَانُ الْمُسْلِمُ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ کے سچے الفاظ کی آڑ میں خودساختہ حکمرانی اور بدعات وخرافات کے باوجود شریعت کو قانونِ عام کا درجہ حاصل رہا۔ گویا مسلمانوں کے فیصلے مسلم عدالتوں میں مسلمان قاضی قرآن وسنت کی روشنی میں کرتے تھے۔ معاشرے میں پردہ عام تھا۔ قرآن وسنت کی تعلیم ہی نظام تعلیم کا مرکزی حصہ تھی۔ جوا‘ سود ودیگر حرام ذرائع ممنوع تھے وغیرہم۔ ان سب کے باوجود یہ دور اسلامی نظام کی صحیح اور مکمل عکاسی نہیں کرتا تھا اور تمام علماء و مشائخ وصلحاء ہمیشہ سے دورِ خلافتِ راشدہ کو اسلام کے نظامِ عدل وقسط کی صحیح اور مکمل عکاسی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کاٹ کھانے والی ملوکیت کے بعد ایک ایسا دور آیا چاہتا تھا جس میں کوئی اسلامی حکومت نہ رہی۔ شریعت کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا اور کفار کے بنائے ہوئے قوانین کو عام قانون کا درجہ حاصل ہو گیا۔ تہذیب وتمدن ان کا ہوا‘ طرز معاشرت ان کی ہوئی۔ دینی تعلیم کو پابند سلاسل کر کے الحاد ودہریت کی سرپرستی کی گئی‘ مخلوط طرزِ تعلیم‘ بے پردگی‘

فحاشی وعریانی عام ہوئے۔ سود اور جوئے پر مبنی معیشت ان کی ہوئی اور نظام سیاست ان کے اصول حکمرانی پر قائم ہوا جس میں اللہ کی حکمرانی کا انکار بنیاد بنا اور عوام کو حق حکمرانی دیا گیا۔ واضح رہے کہ اگر یہ فرق نہ رہے تو بہت سے نتائج خلط مبحث کا شکار ہو جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بدء الاسلام سے یہاں تک کے دور تک کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ جس میں مسلمانوں کو یوں شریعت کے سائے تلے زندگی گزارنے سے محروم کر دیا گیا ہو۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں اقامتِ دین کے لیے اُٹھنے والی اسلامی تحریکیں

ان تحریکوں کی تفصیل میں ہم نہیں جائیں گے‘ بلکہ مختصراً ان کا ذکر کریں گے:

فرائضی تحریک

یہ تحریک بنگال کے علاقہ میں حاجی شریعت اللہؒ نے شروع کی تھی‘ جس نے بنگال کے کسانوں میں ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔ اس تحریک نے غلبۂ دین کے لیے ’’اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ‘‘ (زمین اللہ کی ہے) کا نعرہ بلند کیا۔ اور یہ موقف اپنایا کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ اور انگریزی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی ملک دارالاسلام نہیں رہا بلکہ دارالحرب بن گیا ہے‘ اس لیے جمعہ اور عید کی نمازیں باجماعت ادا نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ قیامِ پاکستان تک اس تحریک کے لوگ ان نمازوں کے اجتماعات منعقد نہیں کرتے تھے۔ اس تحریک میں فرائض کی بجا آوری پر بہت زور دیا جاتا تھا‘ اخوت باہمی کو لازم خیال کیا جاتا تھا اور علم سیکھنے پر زور دیا جاتا تھا۔ ساتھ ساتھ غیر اسلامی رسومات ترک کرنے کو بھی لازم خیال کیا جاتا تھا۔ اس تحریک کے قائدین اور نمایاں افراد کے نام یہ ہیں: حاجی شریعت اللہ‘ حاجی محمد محسنؒ‘ مولوی کرامت علیؒ جونپوریؒ‘ مولوی عنایت علی عظیم آبادیؒ‘ مولوی امام الدینؒ‘ صوفی نور محمدؒ چاٹگامی۔

اس تحریک کے حوالے سے شیخ محمد اکرام ’’موجِ کوثر‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’اس تحریک نے نہ صرف ہندوانہ رسوم کا خاتمہ کر کے مقامی مسلمانوں کو ایک نیا وقار اور عزتِ نفس عطا کیا بلکہ ان کے گہرے روحانی تعلقات شمالی ہند کے مسلمانوں سے استوار کیے اور برصغیر کے تمام مسلمانوں میں ایک روحانی ہم آہنگی پیدا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب سید صاحب کے

جانشینوں نے سرحد پر جہاد جاری رکھا تو مسلمانانِ بنگال اس میں پیش پیش تھے اور جب بیسویں صدی کے وسط میں پاکستان کا مطمحِ عمل قوم کے سامنے رکھا گیا تو ہزار میل کے بُعد کے باوجود بنگال اور پنجاب کے مسلمان ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔‘‘ (ص ۶۱)

تحریک ریشمی رومال

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریز ’’غدر‘‘ کا نام دیتے تھے‘ کے بعد انگریزوں نے ملک میں لوٹ کھسوٹ اور بربریت کا انتہائی سفاکانہ مظاہرہ کیا اور اس میں اپنا مرکزی نشانہ مسلمانوں کو بنائے رکھا۔ ملک بھر میں کاشتکاروں پر لگان اور ٹیکسوں کی بھرمار کر دی گئی‘ مقامی تاجروں کے کاروبار کو بند کرنے کے لیے ولایتی صنعت کو رواج دیا گیا‘ ہسپتالوں‘ اسکولوں‘ کالجوں کی آڑ میں عیسائیت کی تبلیغ کی جانے لگی‘ اسلامی مدارس کو بغاوت کے اڈوں کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کے خلاف ایک منظم تحریک برپا کر دی گئی۔ ایسے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے دیگر علماء دیوبند کے ساتھ ۱۹۰۵ء میں ریشمی رومال کی تحریک شروع کی جس کا مقصد انگریز سامراج سے نجات اور ہندوستان میں ایک آزاد قومی حکومت کا قیام تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک مرکزی جماعت بنائی گئی جس کے امیر حضرت شیخ الہندؒ تھے اور اس کا مرکز پہلے دیوبند پھر دہلی میں تھا۔ اس مرکز کا نام پہلے ’’ثمرة التربیة‘‘ اور پھر ’’جمعیة الانصار‘‘ تھا۔ اس تحریک نے ایک انقلاب برپا کرنے کا خاکہ تیار کیا جس میں پہلے اندرونِ ملک بغاوت کرائی جائے اور پھر بیرونِ ملک شمال مغربی سرحد پر قبائل سے کسی طاقتور حکومت کی مرکزی طاقت (ترکی) سے معاہدہ ہو کہ وہ افغانستان کے راستے فوجیں گزار کر قبائل کو ساتھ ملا کر ہندوستان پر حملہ کریں۔ اس کے لیے افغان حکومت کو رضامند کرنا تھا‘ اور وہاں ایک ہیڈ کوارٹر قائم کر کے اس کو رضامند کر لیا گیا (یاد رہے کہ اس وقت افغانستان اور ترکی کی سرحدیں ملتی تھیں۔) یہ تحریک ریشمی رومالوں کے پکڑے جانے پر عیاں ہو گئی اور اس کے بعد انگریز حکومت نے افغانستان میں تحریک کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ ہندوستان میں بھی سرکردہ شخصیات کو گرفتار کر لیا اور افغانستان اور ترکی کے درمیان رابطے کے خاتمہ کے لیے انگریز فوجوں کو تعینات کر دیا گیا۔ مزید برآں ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا گیا۔ عربوں کو قومیت کے مسحورکن نعرے کے تحت ترکوں کے خلاف آمادۂ بغاوت کیا گیا۔ شیخ الہند کو مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ اس تحریک کے پیشِ نظر اُمتِ مسلمہ کی عظمت وسطوتِ پارینہ کی بحالی تھی۔

تحریک خلافت

۱۴ مئی ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں نے معاہدہ سیورے کی رو سے ترکی کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ صوبہ حجاز شریف حسین حاکم مکہ کو دے دیا گیا۔ فلسطین' عراق اور اردن برطانیہ کے حصہ میں آئے اور شام فرانس کی سرپرستی میں چلا گیا۔ آرمینیا کو آزاد عیسائی ریاست کا درجہ دے دیا گیا۔ جنوبی اناطولیہ اٹلی کے زیر نگیں ہوا' درہ دانیال اور خلیج فاسفورس کو بین الاقوامی قرار دیا گیا۔ ترکی پر بھاری جنگی تاوان عائد کیا گیا اور اس کے بحری جہاز ضبط کر لیے گئے۔ برّی فوج کی تعداد کم کر دی گئی اور فوجی اسکول بند کر دیے گئے۔ اس معاہدہ پر ۱۰/ اگست ۱۹۲۰ء کو اسّی سالہ توفیق پاشا نے دستخط کر کے اسے قبول کر لیا ؎

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

اس معاہدے اور خلافت کی منسوخی پر برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں سخت بے چینی پھیلی اور بہت سے مسلمان علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں پاک وہند سے ہجرت کرنے کو تیار ہوئے اور موپلا قوم نے تحریک خلافت کی حمایت میں بغاوت کر دی۔ انہوں نے ریل کی پٹڑیاں اُکھیڑ ڈالیں' بجلی کی تاریں کاٹ ڈالیں۔ انگریز حکومت نے غیر معمولی تشدد کیا' ہزارہا لوگوں کو پابند سلاسل اور تہ تیغ کیا گیا۔ علی برادرانؒ' ابوالکلام آزادؒ اور گاندھی کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفی کمال پاشا نے علامتی خلافت کو بھی ختم کر ڈالا۔ تحریک خلافت کا مقصد خلافت کی بحالی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر خلافت ختم نہ ہوتی تو اسرائیل کا وجود ناممکن تھا۔

تحریک الاخوان المسلمون

الاخوان المسلمون عہد حاضر میں دنیائے عرب کی سب سے بڑی تحریک ہے۔ ۱۹۲۸ء میں یہ تحریک وجود میں آئی۔ تقریباً ایک صدی ہونے کو ہے مگر اس تحریک کی حیثیت کم نہیں ہوئی بلکہ سرزمینِ عرب پھر اس دعوت کی پیاس شدت سے محسوس کر رہی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عالَمِ عرب کی کوئی چھوٹی بڑی تحریک ایسی نہیں جس نے اس عظیم تحریک سے کسبِ فیض نہ کیا ہو۔ اس تحریک کے بانی حسن البناء شہیدؒ تھے۔ وہ مصر کے ایک علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد

شیخ احمد عبدالرحمنؒ البناء حدیث وفقہ کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی مسند کو فقہی ابواب کے تحت مرتب کر کے مذکورہ احادیث پر تشریحی حواشی لکھے ہیں (الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی) اور اس کی شرح ''بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی'' کے نام سے لکھی۔ اسی طرح ابوداؤد الطیالسی کی مسند کی شرح ''تبویب منحة المعبود'' کے نام سے کی اور امام شافعیؒ کی مسند اور سنن کو 'بدائع المسنَد'' کے نام سے نئی ترتیب سے آراستہ کیا۔

حسن البناءؒ حافظ قرآن تھے' مدرسۃ الرشاد الدینیہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم قاہرہ سے فارغ التحصیل تھے اور انتہائی قابل اور مخلص انسان تھے۔ الاخوان عالَمِ عرب میں ایک منظم قوت کے طور پر ابھری اور اسرائیل کے خلاف جہاد میں عالَمِ مغرب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ چنانچہ وزیر اعظم نقراشی پاشا نے غیر ملکی آقاؤں کے دباؤ میں آ کر ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو مارشل لاء آرڈی نینس کے ذریعے الاخوان کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ عبدالہادی پاشا کے دور میں حسن البناء کو ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کو شبان المسلمین کے دفتر کے سامنے سربازار شہید کر دیا گیا۔

جولائی ۱۹۵۶ء میں جمال عبدالناصر نے حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تقریباً ۲۰ ہزار سے ۵۰ ہزار تک اخوانی کارکنان کو جیلوں میں ٹھونس دیا جن میں لگ بھگ ایک ہزار کے قریب خواتین بھی شامل تھیں۔ مرشد عام کو تین سال کی قید بامشقت سنائی گئی اور سید قطب شہیدؒ کو ۱۹۶۶ء میں سزائے موت دے دی گئی۔

الاخوان نے فکری انقلاب کے لیے عقائد کی اصلاح اور فکر مغرب کا ابطال کیا اور اس ضمن میں نوجوانوں کے اندر اسلامی تہذیب کا ذوق وشوق پیدا کیا۔ اسی طرح صحافت' تعلیم' خدمتِ خلق' اقتصادی ومعاشی میدان کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ کو تازہ رکھنے کے لیے بے شمار قربانیاں دیں۔ الاخوان نے اپریل ۲۰۱۱ء میں فریڈم اینڈ جسٹس پارٹی بنائی اور جون ۲۰۱۲ء کے الیکشن میں محمد مرسی شہیدؒ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی' مگر جمہوریت کے ٹھیکیداروں کو یہ کامیابی ایک آنکھ نہ بھائی اور فوجی انقلاب کے ذریعے الاخوان کی اس کامیابی کا راستہ روک دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج عالَمِ عرب میں احیائے اسلام اور اقامتِ دین کے حوالے سے جو کشمکش عروج پر نظر آ رہی ہے اس میں الاخوان کا کردار انتہائی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

جماعت اسلامی

جماعت اسلامی کی بنیاد تقسیم ہند سے قبل ۲۶ /اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں رکھی گئی۔ اس جماعت کے بانی جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تھے اور انہی کی تحریک پر یہ جماعت قائم ہوئی۔ اس جماعت کو قائم کرتے وقت مولانا مودودیؒ نے جو ہدف بیان کیا وہ اقامت دین تھا۔ لکھتے ہیں:

”اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کو مسلمان رہنے یا نہ رہنے کا آخری فیصلہ کرنا ہے۔ اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ماحول اور پھر تمام دنیا کو دار الاسلام بنانے کا عزم لے کر اُٹھنا چاہیے اور اس کے لیے جان وتن کی بازی لگا دینی چاہیے۔“

یہی بات جماعت اسلامی کے دستور میں کچھ یوں درج ہے:

”جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصود دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔“

مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کی دعوت کو یوں تحریر کیا:

”(۱) ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

(۲) یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ کرے اسے ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کر دے اور جب وہ مسلمان ہے یا بنا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

(۳) یہ کہ زندگی کا نظام جو باطل پرستوں اور فساق وفجار کی رہنمائی‘ قیادت اور فرمانروائی میں چل رہا ہے اور معاملاتِ دنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے‘ ہم دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری و عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین وصالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔“

جماعتِ اسلامی نے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لیے چار بنیادی اقدامات لائحہ عمل کے طور پر اختیار کیے: (۱) تطہیرِ افکار و تعمیرِ افکار (۲) صالح افراد کی تلاش اور تنظیم وتربیت (۳) اجتماعی اصلاح کی سعی (۴) نظامِ حکومت کی اصلاح

اگرچہ بعد از تقسیم ہند جماعت نے انتخابات کا راستہ اپنایا اور کیا کھویا کیا پایا‘ یہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں۔

تنظیم اسلامی

جماعت اسلامی کے طریق کار سے اختلاف رکھنے والے صاحبانِ فکر ونظر نے اقامت دین کے فرض کی ادائیگی کے لیے ایک جماعت کی ضرورت کے پیش نظر مختلف مواقع پر طویل گفت وشنید کے بعد ۱۹۶۷ء میں ایک قرارداد (قراردادِ رحیم آباد) پر دستخط کیے‘ جس میں طے پایا کہ

”...... ایک ایسی اجتماعیت کا قیام عمل میں لایا جائے جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد و معاون ہو۔ جس میں وہ لوگ بھی شریک ہو سکیں جو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے جماعت اسلامی میں شامل ہوئے تھے لیکن پھر مختلف مراحل پر اس سے مایوس ہو کر علیحدہ ہوتے چلے گئے اور اب کسی ہیئت اجتماعی میں منسلک نہ ہونے کی بنا تشنگی محسوس کر رہے ہیں‘ اور وہ لوگ بھی شریک ہو سکیں جن میں اپنے دینی فرائض کا احساس ہو جائے اور وہ اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے کسی اجتماعی نظم میں منسلک ہونا چاہیں...... مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں تفصیلی نقشہ کار کی تعیین اور ایک ہیئت اجتماعی کی تشکیل کے لیے طے کیا جاتا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم خیال لوگوں سے رابطہ کیا جائے اور پھر کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ایسے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر کسی اجتماعیت کے قیام کی عملی صورت اختیار کر لیں۔“

تنظیم اسلامی کا نصب العین

تنظیم اسلامی کا نصب العین بالفاظ دستور تنظیم اسلامی کچھ یوں ہے:

”تنظیم اسلامی نہ معروف معنی میں سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ‘ بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے جو پہلے پاکستان اور بالآخر کل روئے ارضی پر اللہ کے دین کے غلبے یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام بالفاظِ دیگر اسلامی انقلاب اور اس کے نتیجے میں نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے لیے کوشاں ہے۔ انفرادی سطح پر اس کے جملہ شرکاء کا اصل نصب العین صرف رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی کا حصول ہے۔“

تنظیم اسلامی کی دعوت

بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تحریرات کی روشنی میں تنظیم اسلامی کی دعوت تین اساسی دینی فرائض پر مشتمل ہے‘ جس کے لیے تین لوازم ہیں:

(۱) ایک مسلمان کا پہلا فرض ہے کہ وہ خود صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنے۔

(۲) دوسروں کو حتی المقدور اسلام کی تبلیغ کرے اور دین کی دعوت دے۔

(۳) وہ اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کے دین حق کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن مَن دھن سے کوشاں ہو۔

محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے ان تین فرائض کو بیان کرنے کے لیے ایک سہ منزلہ عمارت کی مثال دی اور ان فرائض کی ادائیگی کے لیے تین لوازم کو ضروری قرار دیا۔ جن میں:

(۱) جہاد: یعنی دعوتِ دین کے لیے جان و مال کو کھپانا۔ اوّلاً نفس اور باطل نظریات کے خلاف یہ جہاد قرآن کے ذریعے کرنا۔ اس کے بعد باطل نظام کو ہٹانے اور اس نظام کے علمبرداروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے آخری منزل قتال فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار کرنا۔

(۲) التزامِ جماعت: فرائض دینی کے ضمن میں دوسرا لازمی تقاضا التزام جماعت ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ شہادت علی النّاس اور اقامتِ دین جیسے فرائض کو ایک اجتماعی جدّوجہد کی صورت میں ادا کرے اور کسی ایسی جماعت میں شامل ہو جس کا واضح ہدف اقامت دین کی جدّوجہد ہو اور طریق کار نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ماخوذ ہو اور اقرب الی السُّنّہ ہو۔ مزید یہ کہ قیادت مخلص ہو۔

(۳) بیعت: دینی فرائض کے لوازم میں تیسری چیز یہ ہے کہ اس جماعت کا جو نظام ہو وہ بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف کے اصول پر مبنی ہو۔

تنظیم اسلامی کے پیشِ نظر نفاذِ شریعت کا طریق کار

بانی تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اسلامی انقلاب کا طریقہ کار سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ فرمایا اور اس کے چھ مراحل بیان فرمائے۔ اور یہ مراحل تنظیم اسلامی کے پیش نظر انقلاب کا طریقہ کار ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) دعوت (۲) تنظیم (۳) تربیت

(۴) صبر محض (۵) راست اقدام (۶) مسلح تصادم

اور اس اسلامی انقلاب کے لیے آلۂ انقلاب قرآن مجید ہے۔

تحریک طالبان

۱۹۷۹ء میں کمیونسٹ عناصر کے کہنے پر روسی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں جس کے

خلاف پورے افغانستان میں بھرپور مزاحمت شروع ہوگئی اور مسلسل ۱۰ سال تک اس جہادِ حریت کے نتیجہ میں روس کو شکست فاش ہوئی۔ اپریل ۱۹۸۸ء میں جنیوا میں امن معاہدہ ہوا اور ۱۹۸۹ء میں روس نے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا۔ روسی فوجوں کے واپس چلے جانے کے بعد عالمی طاقتوں کی عدم دلچسپی نے افغانستان میں کسی مرکزی حکومت کو قائم نہ ہونے دیا۔ ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۴ء افغانستان کا حال یہ ہو چکا تھا کہ لوگ خانہ جنگی سے تنگ آ چکے تھے۔ لوگوں کا اپنے لیڈران سے اعتماد اٹھ چکا تھا جو دن رات اتحاد بناتے اور توڑتے تھے۔ ہر ڈیڑھ کلومیٹر پر ہر گروپ نے اپنی زنجیریں نصب کر رکھی تھیں، اور مسافران زنجیروں سے گزرتے گزرتے بھتّہ ادا کرتے کرتے قلاش ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں ''طالبان'' کا ظہور ہوا۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں مُلّا محمد عمر مجاہدؒ نے ایک فورس منظم کی جو ''تحریک طالبان'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس فورس میں روسی جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین، افغانی علماء اور مدارس کے طلبہ کی کثیر تعداد شامل ہوگئی۔ علماء میں جن حضرات نے بنیاد رکھی ان میں مُلّا محمد عمرؒ کے علاوہ محمد ربانی، محمد حسن نور الدین ترابی، عبدالوکیل متوکل، مُلّا عبدالکبیر، مُلّا خیر اللہ خیر خواہ اور امیر خان متقی کے نام آتے ہیں۔ جبکہ فوجی کمانڈروں میں مُلّا بورجان، مولانا جلال الدین حقانیؒ، مُلّا عبدالرزاق، مُلّا برادر، ملا داد اللہ، مُلّا یار محمد، ملا مشر، مُلّا عبید اللہ، مُلّا احسان اللہ احسان اور ملا فاضل وغیرہ شامل تھے۔ (ان میں سے اکثریت اب شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہو چکی ہے۔) خود مُلّا محمد عمرؒ، محمد نبی محمدی اور مولوی یونس خالص کی قیادت میں روسی جہاد میں صف دوم کے کمانڈر کے طور پر روس کے خلاف جہاد میں حصہ لے چکے تھے۔ ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۱ء تک طالبان کو افغانستان کے اکثر علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل تھا جہاں انہوں نے غیر مشروط طور پر شریعت نافذ کر دی۔ اور یہی جرم تھا جو عالمی طاقتوں کو پسند نہیں آیا اور اکتوبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ نے عالمی طاقتوں کی ہمراہی میں اس نوزائیدہ اسلامی حکومت کے خلاف بھرپور جارحیت کر دی (اور ۱۹ سال کے اس عرصہ میں اللہ پاک نے مادہ پرستوں کو دکھا دیا کہ اللہ اسباب کا محتاج نہیں)۔

تحریک طالبان کا منشور

تحریک طالبان جو منشور و مقاصد لے کر اٹھی تھی ان میں درج ذیل نکات نمایاں تھے:

(۱) امن وامان کا قیام اور فتنہ وفساد کا خاتمہ

(۲) مختلف مسلح تنظیموں اور گروپوں کو غیر مسلح کرنا
(۳) اسلامی شعائر کی پابندی
(۴) شریعت اسلامیہ کا نفاذ
(۵) شرعی سزاؤں کا نفاذ
(۶) خواتین کے لیے چادر اور چار دیواری کا انتظام
(۷) افغانستان کو بدعنوان مغرب پرست لیڈروں سے نجات دلانا
(۸) سڑکوں اور راستوں کو دوبارہ کھولنا اور درندہ صفت سرداری نظام کا خاتمہ
(۹) غیر ملکی فوجوں کا انخلاء اور کٹھ پتلی افغان حکومت کا خاتمہ
(۱۰) افغانستان کی آزادی اور عوام کی خود مختاری

ان تحریکوں کے علاوہ عالم اسلام کے چپے چپے میں اسلام کے نفاذ اور اسلامی حکومتوں کے قیام کے لیے تحریکیں اٹھیں جن میں شمالی و مغربی افریقہ میں ’’سنوسی تحریک‘‘ سوڈان میں ’’مہدی سوڈانی کی تحریک‘‘ جمال الدین افغانی کی ’’اتحاد بین المسلمین کی تحریک‘‘ اور بہت سی تحریکات شامل ہیں۔ (ظاہر ہے کہ اس مضمون میں ہم ان تحریکوں کی تاریخ مرتب نہیں کر رہے۔)

حاصل کلام

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ راقم نے اس مضمون میں تجزیاتی و تقابلی انداز اختیار نہیں کیا‘ یعنی تحریکوں کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب وعلل اور باہمی موازنہ ہمارا موضوع بحث نہیں تھا‘ بلکہ راقم نے اقامت دین کی سعی وجُہد مسلسل کو اسلاف کی آراء وتعامل کی روشنی میں دکھلانے کی کوشش کی ہے اور اس بات کو بحمد اللہ ثابت کر دیا ہے کہ اقامت دین کی سعی و جہد نہ تو اضافی نیکی ہے اور نہ ایسا ہے کہ اسلاف کی کتابیں اور ان کا تعامل اس سے خالی ہے‘ بلکہ اس کے برعکس اسلاف نے اس معاملے کو ہمیشہ واضح رکھا ہے اور نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دین کو قائم کرنے کے بعد اسے قائم رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے اور تجدید واحیائے دین کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی جانیں تک قربان کیں ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اور اقامت دین کی اس مسلسل جدّوجُہد (جس کا جامع عنوان جہاد فی سبیل اللہ ہے) کے لیے واضح فرمان رسول ﷺ ہے کہ یہ جِدّوجُہد میری امت میں ہمیشہ

جاری رہے گی۔ بقول سیدِ وُلدِ آدم ﷺ ((وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ اُمَّتِي الدَّجَّالَ‘ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ)) ’’جب سے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے جہاد جاری رہے گا‘ یہاں تک کہ میرا آخری امتی دجال سے جنگ کرے گا۔ اسے کسی ظالم (حکمران) کا ظلم اور عادل کا عدل باطل نہیں کرے گا۔‘‘ (سنن ابی داود: ۲۳۵۲ سنن سعید بن منصور: ۷۶۳۲) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) ’’دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا‘ مسلمانوں کی ایک جماعت دین کے لیے قیامت تک قتال کرتی رہے گی‘‘۔ (صحیح مسلم: ۲۲۹ دارالسلام: ۳۵۴۹‘ عن جابر بن سمرہ ؓ) کیونکہ یہ بات تو قرآن مجید کا ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض وغایت اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اقامتِ دین‘ نفاذ شریعت یا تنصیب خلافت ہی ہے۔ بفحوائے کلام اللہ ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى!! ❁❁❁

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات
سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل ومدارج اور لوازم
منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ
مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے
سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ
سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
صفحات 240، قیمت 180 روپے

کیا حفظِ قرآن بدعت ہے؟

علامہ مفتی منیب الرحمٰن

میں غیر ملکی دورے پر روانہ ہونے کو تھا کہ متحدہ علماء کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف کا دردانگیز مکتوب ملا۔ انہوں نے جناب جاوید احمد غامدی کی زیر سرپرستی ماہ نامہ ’’اشراق‘‘ میں عرفان شہزاد صاحب کے ایک مضمون بعنوان: ’’قرآن کے حفظ کی رسم پر نظر ثانی کی ضرورت‘‘ کی نقل ارسال کی اور دین کے مسلّمات سے انحراف کی تحریک کی جانب متوجہ کیا کہ اس پر بات کی جائے۔ ملکی حالات کے تناظر میں واپسی پر امریکہ کے بعض مشاہدات ومعلومات کو قارئین تک پہنچانے کے سبب اس فریضے کی ادائیگی میں قدرے تاخیر ہوگئی، آج اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں۔

حفظِ قرآنِ کریم کی سعادت وفضیلت پر سلف سے خلف تک امت کا اجماع رہا ہے، یہ مسئلہ کبھی بھی مختلف فیہ یا متنازع نہیں رہا، مگر عرفان شہزاد صاحب نے اس سعادت کو غیر اہم قرار دیتے ہوئے لکھا: ’’عام تاثر یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذریعہ اور باعث اجر وسعادت ہے، یہ تصور چند در چند غلط فہمیوں کا تسلسل ہے۔‘‘ انہوں نے مزید لکھا: ’’شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حفظ قرآن کی موجودہ رسم اور اس سے جڑے اجر وثواب اور گناہ کے دینی تصورات اسے ایک بدعت بناتے ہیں‘‘۔ نیز لکھا: ’’یہ خیال ایجاد کیا گیا کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا معجزہ ہے۔‘‘

گویا انہوں نے حفظِ قرآن کریم کی سعادت، اس کے لیے ترغیب اور مدارس ومکاتب کے پورے سلسلے کو بدعت قرار دے ڈالا۔ اُمّتِ مُسلمہ پوری دنیا میں دسیوں لاکھ حُفّاظِ قرآن کے وجود کو قرآن کریم کی ایک شانِ اعجاز سمجھ رہی ہے، مگر انہوں نے اسے خلافِ حقیقت قرار دیتے ہوئے لکھا: ’’اتنا وقت اتنی ضخامت کی کسی بھی کتاب کو زبانی یاد رکھنے کے لیے کافی ہے، خصوصاً جب الفاظ میں ایک قسم کی موسیقیت اور موزونیت بھی پائی جاتی ہو تو یہ اور بھی سہل ہو جاتا ہے۔‘‘

گویا موصوف نے قرآن کریم کے یاد ہونے کا سبب عِیاذاً باللہ! اس کی موزونیت اور

موسیقیت کو قرار دیا۔ ایسی سوچ اور انداز کو کم از کم بے ادبی ہی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

موصوف سے سوال ہے: دنیا میں اور بھی مذاہب ہیں، ان کی مذہبی کتب بھی ہیں یا مختلف علوم وفنون کی بے شمار کتابیں موجود ہیں، کیا اتنی ضخامت کی کوئی ایک کتاب بھی ایسی ہے، جس کو دنیا میں موجود قرآن کریم کے حفاظِ کرام کی کل تعداد کے عُشرِ عَشیر یعنی ایک فی صد یا ایک فی ہزار نے بھی از اوّل تا آخر لفظ بلفظ یاد کر رکھا ہو؟ حقیقت کا مقابلہ مفروضوں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ میر تقی میر نے کہا تھا:

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

آپ نے لکھا ہے: ’’مکاتبِ تعلیم القرآن میں تشدد، بچوں کی گھر سے دوری، جنسی ہراسانی وغیرہ بچے کی نفسیات میں غیر صحت مند رویہ تشکیل دیتے ہیں‘‘۔ ہمیں تسلیم ہے اور ہماری آرزو ہے کہ اللہ کرے کہ ایک واقعہ بھی ایسا رونما نہ ہو، لیکن خال خال یعنی لاکھوں میں ایک کوئی واقعہ بدقسمتی سے رونما ہو جائے تو اس طرح کے شاذ ونادر واقعات اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی رونما ہوتے ہیں۔ پاکستان کے تمام شہروں، بالخصوص کراچی، لاہور، اسلام آباد، ایبٹ آباد، مری اور ملک کے دیگر علاقوں میں انگلش میڈیم اسکولوں میں طلبہ وطالبات اقامت گاہوں (Hostels) میں قیام پذیر ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے ان شاذ ونادر واقعات کے سبب ان کی بندش کی بھی کوئی زبانی یا قلمی تحریک برپا کی ہے یا آپ کا ہدف صرف حفظِ قرآنِ کریم ہے؟

جدید تعلیمی اداروں میں ناچ گانے، موسیقی، ڈراموں اور دیگر خرافات کے مقابلے ہوتے ہیں۔ عرفان شہزاد صاحب! شاید آپ انہیں صحت مند، بچوں میں جو ہر قابل یعنی ٹیلنٹ کو نکھارنے اور ابھارنے کا نفسیاتی عمل قرار دیتے ہوں گے، اس لیے آپ نے ان سلسلوں کو کبھی ہدفِ ملامت نہیں بنایا، لیکن حفظِ قرآنِ کریم کے مسابقات (Competitions) کو آپ نے ’’شعبدہ بازی‘‘ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس قدر جسارت! فَیَا اَسَفٰی وَ یَا لَلْعَجَب! چنانچہ آپ نے لکھا: ’’قرآنِ مجید کے حفظ سے شعبدہ بازی کا کام بھی بعض حلقوں میں لیا جاتا ہے، طلبہ سے متنِ قرآن کے ساتھ صفحہ نمبر بلکہ آیت نمبر تک یاد کروائے جاتے ہیں، پھر بین الاقوامی مقابلوں میں یادداشت کے لیے کارنامے پیش کر کے دادِ تحسین وصول کرتے ہیں‘‘۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج کل خطابت یا تحریر

میں حوالہ دینے کے لیے سورت کا نام‘ آیت نمبر‘ حدیث کی کتاب اور رقم الحدیث کا جو رواج ہے‘ یہ اُن کے نزدیک شعبدہ بازی ہے۔ کتبِ احادیث کی ترقیم (Numbering) تو جدید دور کا شعار ہے‘ اس سے تحقیق کرنے والوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔

آپ نے لکھا: ’’ماہِ رمضان میں تراویح کی نماز‘ جو درحقیقت نمازِ تہجد ہی ہے‘ میں پورے قرآن کی تلاوت اور اس کے سماع کا اہتمام مسلمانوں کا اپنا انتخاب ہے‘ اس کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے‘ رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ماہِ رمضان میں قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے‘ نہ کہ نمازِ تہجد میں۔‘‘

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعِ عملی اور امت کا عملی تواتر آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور ’’اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ‘‘ مہاجرین و انصار‘ جو آپ ﷺ کے براہِ راست تربیت یافتہ تھے‘ آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار ہیں‘ اُن کا کوئی متواتر عمل بھی آپ کے نزدیک کسی درجے کی حجت نہیں ہے‘ بلکہ بدعت ہے۔ آپ کا بڑا احسان ہے کہ آپ نے جبریلِ امین علیہ السلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دورۂ قرآن کو تسلیم کیا‘ جو کہ صحیح البخاری:۶ سے ثابت ہے‘ جب کہ حفظ و تلاوتِ قرآن کے فضائل پر مشتمل احادیثِ مبارکہ‘ جو حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں‘ آپ کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں: ’’رسول اللہ ﷺ سے منقول قرآنِ مجید کے حفظ کرنے کی ترغیب دلانے والی روایات میں سے جو معیارِ صحت پر پورا اترتی ہیں‘ اُن میں بھی اس تصور کا پایا جانا ممکن نہیں کہ آپ نے لوگوں کو بلا سمجھے قرآنِ مجید کو زبانی یاد کرنے کی تلقین فرمائی ہو‘ آپ کے مخاطبین قرآنِ مجید کی زبان سے واقف تھے‘ اُن کے لیے اسے سمجھے بغیر یاد کر لینا متصور ہی نہیں۔‘‘

سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی عالَمِ عرب کے عام اہلِ زبان نزولِ وحی کے چودہ سو ترپن سال بعد بھی باقاعدہ تعلیم کے بغیر قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھ سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو عالَمِ عرب میں علومِ عربیہ واسلامیہ کی درسگاہوں کی کوئی ضرورت نہ رہتی۔ کیا اُن تمام ممالک کے لوگ‘ جن کی مادری زبان انگریزی ہے‘ وہ باقاعدہ تعلیم حاصل کیے بغیر جدید سائنسی‘ طبی‘ فنی‘ ادبی و سماجی اور معاشی علوم کو جان سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو مغرب میں ہر سطح کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ بلاشبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ زبان تھے‘ لیکن اُن میں ماہرینِ تفسیر

ماہرینِ حدیث اور ماہرینِ فقہ محدود تعداد میں تھے‘ جنہوں نے باقاعدہ مکتبِ نبوت سے علم حاصل کیا تھا۔ صُفّہ کی درسگاہ آخر کس لیے تھی؟ انہی متخصّصین کی ضرورت کی جانب قرآنِ کریم نے التوبہ:۱۲۲ میں متوجہ فرمایا اور اسے ’’تَفَقُّہ فِی الدِّیْن‘‘ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اب آتے ہیں نفسِ مسئلہ کی طرف۔ سب سے پہلے ہم اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے معانی و مطالب اور احکامِ الٰہی کو بصورتِ اوامر و نواہی جاننا‘ ان کی تفہیم و تفہم اور تعلیم و تعلّم مقصودِ اصلی ہے اور اس سے اُمت میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے‘ کیونکہ معانی و مطالبِ قرآن کا فہم حاصل ہو گا تو اسی صورت میں اس پر عمل کی سعادت حاصل کر کے فلاحِ دارین کی منزل کو پایا جا سکتا ہے۔ لیکن فہمِ قرآن اور تلاوت و حفظِ قرآن کو ایک دوسرے کی ضد قرار دے کر حفظِ قرآن کی اہمیت کم کرنا یا اسے بدعت قرار دینا یا اسے شعبدہ بازی قرار دینا ہمارے نزدیک یہ سوچی سمجھی تحریک ہے اور اس تحریر کے پسِ پردہ یہی مہم کارفرما ہے۔ ’’حُجّیتِ حدیث‘‘ کے عنوان سے ہمارا کالم ۱۵ رجون کو شائع ہو چکا ہے اور اس میں ہم نے واضح کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیمِ قرآن اور تعلیمِ بیان (یعنی اس کے معانی و مطالب کی تفہیم) کو باہم مربوط کر کے بیان کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتایا کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اسے نبی کریم ﷺ کے دل و دماغ میں محفوظ کرنا اور آپؐ کی زبان پر جاری کرنا اللہ نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہے اور اسی طرح اس کا بیان بھی اُسی کی طرف سے آیا ہے‘ ملاحظہ ہو: الرحمٰن:۱ تا ۴‘ القیامۃ:۱۶ تا ۱۹۔ نیز ہم نے یہ بھی بتایا کہ قرآن کا بیان یعنی معانی و مطالب اُسی ہستی پر نازل ہوئے جس پر قرآن نازل ہوا۔ پس قرآن کو صاحبِ قرآن سے جدا کر کے سمجھا نہیں جا سکتا‘ جب کہ ہر دور میں اپنے آپ کو ’’اہلِ قرآن‘‘ کہلانے والے فہمِ قرآن کا اہم ماخذ ادبِ جاہلیت کو قرار دیتے رہے ہیں۔

آپ نے لکھا: ’’رسول اللہ ﷺ رمضان میں جبریلِ امین کے ساتھ قرآن کو دہراتے تھے‘‘۔ یہ دہرانا قرآنِ کریم کے کلماتِ مبارکہ کو یاد کرنے ہی کے لیے تھا‘ اس کی اہمیت سے انہیں انکار ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ عہدِ نبوت اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں حافظِ قرآن کو قاریٔ قرآن ہی کہا جاتا تھا‘ لیکن اصطلاح کے فرق سے معنویت نہیں بدلتی۔ جھوٹے مدعیٔ نبوت مسیلمہ کے ساتھ جنگِ یمامہ میں ستر قُرّاء کرام شہید ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تحریری شکل میں جمعِ قرآن کی ضرورت کی جانب متوجہ کیا اور بالآخر وہ اس پر راضی ہو گئے اور

فرمایا: ’’اللہ نے اس حکمت کو سمجھنے کے لیے میرے سینے کو کھول دیا‘ جس کے لیے عمر کے سینے کو کھول دیا تھا۔‘‘

شرحِ صدر کے معنی ہیں: ’’پورے ایمان وایقان کے ساتھ کسی بات کی ضرورت واہمیت کا ادراک کر لینا‘‘۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے نزدیک حفظِ قرآن حفاظتِ قرآن کا معتمد ومستند ذریعہ تھا۔ حدیثِ پاک میں ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’قوم کی امامت وہ شخص کرے جو سب سے عمدہ قراءت کرنے والا ہو‘ اور اگر حسنِ قراءت میں سب برابر درجے کے ہوں تو اُسے ترجیح دی جائے جو سنت کا زیادہ علم رکھنے والا ہو‘ اور اگر اس میں بھی سب مساوی درجے کے ہوں تو اُسے ترجیح دی جائے جو ہجرت میں مقدم ہو‘ اور اگر اس میں بھی سب مساوی درجے کے ہوں تو اُسے مقدم کیا جائے جو بڑی عمر والا ہو۔‘‘ (سنن ترمذی: ۲۳۵)

اگر قاری اور عالم الگ الگ آئیں تو ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ دونوں ہم معنی ہیں‘ لیکن جب ایک ہی عبارت یا مسئلے میں بالمقابل آئیں تو پھر دونوں کے معنی میں تفاوت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت کا انتظام اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے‘ فرمایا:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر)

’’بے شک ہم نے ذکر (قرآن) اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔‘‘

ظاہر ہے عالمِ اسباب میں حفاظتِ قرآنِ کریم کے دو ذرائع ہیں: تحریری صورت میں محفوظ کرنا یا ذہن میں محفوظ کرنا۔ آج کل آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ بھی اس کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن یہ ظاہری چیزیں کسی حادثے یا آفت کے نتیجے میں امکانی طور پر تلف ہو سکتی ہیں‘ لیکن ذہنوں میں جو امانت محفوظ ہے‘ وہ تلف نہیں ہوتی۔

حفاظت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے دیگر الہامی کتابوں اور صحفِ انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں نہیں فرمایا۔ شاید اس کی حکمت یہ ہو کہ اُن کتابوں کی شریعت ایک محدود زمانے کے لیے تھی اور قرآنِ کریم کی شریعت تا قیامت جاری وساری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وعدہ فرمایا کہ قرآن میں باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی‘ یعنی اسے تحریف سے محفوظ رکھا‘ فرمایا:

﴿لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ﴿۴۲﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

’’اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے‘ یہ اُس حکمت والے کی نازل کی ہوئی کتاب ہے جو ہر تعریف کے لائق ہے۔‘‘

نیز فرمایا:

(۱) ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَ لَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا ﴿۸۲﴾﴾ (النساء)

’’کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔‘‘

(۲) ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُہَا ﴿۲۴﴾﴾ (محمد)

’’کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں!‘‘

(۳) ﴿وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُہَا لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ (الحشر)

’’ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔‘‘

(۴) ﴿وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُہَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعۡقِلُہَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ (العنکبوت)

’’اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں‘ اور ان مثالوں کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔‘‘

قرآن نے واضح طور پر بتایا کہ اس میں بیان کردہ مثالوں اور تمثیلات کی حکمت کو اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں‘ ہر ایک پر یہ منکشف نہیں ہوتیں۔

(۵) ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ (آل عمران)

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور گردشِ لیل ونہار میں عقل مندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے ہوئے‘ بیٹھے ہوئے اور کروٹوں کے بل لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (مستور حکمتوں پر) غور وفکر کرتے رہتے ہیں‘ اور (کہتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! تو نے (یہ کارخانۂ قدرت) بے مقصد پیدا نہیں کیا‘ تو (ہر عیب سے) پاک ہے‘ سو ہمیں عذابِ جہنم سے بچا۔‘‘

پس قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں اپنی عقلی اور فکری صلاحیتوں کو استعمال کرنا مقصدِ نزولِ قرآن کا منشا ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ آیا معنی سے ناواقفیت کے باوجود تلاوتِ قرآنِ کریم دین کو مطلوب ہے اور یہ سعادت ہے؟ قرآن نے تلاوت کا ذکر بھی بطورِ مدح فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝۴﴾ (المزمل)

’’اے چادر اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کیجیے مگر تھوڑا، آدھی رات تک یا اُس سے کچھ کم یا (اگر اس سے آپ کی طبیعت سیر نہ ہو تو) اس سے کچھ زیادہ کیجیے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔‘‘

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا تعلق تلاوت سے ہے۔ نیز فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲﴾ (الانفال)

’’(کامل) مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اُن پر اُس کی آیات پڑھی جائیں تو اُن کے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔‘‘

عرفان شہزاد صاحب کی فکر کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کسی کو قرآن کے معانی اور مطالب نہیں آتے تو محض تلاوت بے سود ہے‘ حالانکہ کروڑوں کی تعداد میں مسلمان معانی کو نہیں جانتے لیکن نماز میں تلاوت کرنے کے وہ بھی یکساں طور پر پابند ہیں‘ اور شاید اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ صدر ایوب کے دورِ حکومت میں ایک دانشور ڈاکٹر فضل الرحمن نے کہا تھا: ’’نماز میں معنی جانے بغیر قرآنی آیات کی تلاوت بے سود ہے‘ اردو میں ترجمہ پڑھا جائے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے البقرۃ:۱۲۹ میں دعائے ابراہیمی کی صورت میں‘ آلِ عمران:۱۶۴ میں بطورِ احسان اور الجمعۃ:۲ میں حقیقتِ واقعی یا مظہرِ شانِ باری تعالیٰ کی صورت میں فرائض نبوت کو بیان فرمایا اور اس میں تعلیمِ کتاب وحکمت کو الگ فریضۂ نبوت بتایا اور تلاوتِ آیاتِ قرآنی کو مستقل بالذات فریضۂ نبوت بتایا۔

احادیثِ مبارکہ میں تلاوت کا مقصود بالذات اور باعثِ اجرِ عظیم ہونا بہت واضح ہے‘ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’(قیامت کے دن) قاریٔ قرآن سے کہا جائے گا: جس طرح تم دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے‘ اب بھی اُسی ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو اور جنت کے درجات کو طے کرتے جاؤ‘ کیونکہ تمہارے درجات کی ترقی کا سلسلہ وہاں جا کر ختم ہوگا‘ جہاں (دنیا میں کی گئی مقدارِ) تلاوت کا سلسلہ ختم ہوگا۔‘‘ (سنن ترمذی:۲۹۱۴)

حدیثِ قدسی میں فرمایا:

’’جسے قرآن میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھے (یعنی کثرتِ تلاوت کی وجہ سے ذکر و دعا کا موقع بھی نہ ملے) تو میں اُسے (بن مانگے) سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔‘‘ (سنن ترمذی:۲۹۲۶)

رسول اللہ ﷺ نے صحابیؓ سے فرمائش کر کے تلاوت سنی بھی ہے اور صحابی کو سنائی بھی ہے‘ تاکہ تلاوت کرنا اور سننا دونوں سُنّتِ رسول قرار پائیں۔

(۱) حدیث میں ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

’’مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا: میں پڑھوں اور آپ سنیں‘ حالانکہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میں دوسرے سے تلاوتِ قرآن کو سنوں۔ پس میں نے آپؐ کے سامنے سورۃ النساء کو پڑھنا شروع کیا‘ حتیٰ کہ میں آیت:۴۱ پر پہنچا۔ (ترجمہ: ’’اے حبیبِ مکرم! وہ کیسا منظر ہوگا جب ہم ہر امت پر (تبلیغِ حق) کے لیے (اُس عہد کے نبی کو) گواہ کے طور پر لائیں گے اور پھر آپؐ کو اُن سب کی گواہیوں کی (توثیق کے لیے) لائیں گے!‘‘) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رک جاؤ۔ میں نے اچانک (نظریں اٹھا کر دیکھا تو) آپؐ کی آنکھوں سے (بطورِ تشکر) آنسو بہہ رہے تھے (کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شان کو بیان فرمایا)۔‘‘ (صحیح البخاری:۴۵۸۳)

(۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں‘ نبی ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اُبی بن کعب نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرا نام لے کر فرمایا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا ہے۔ اُبی بن کعب (فرطِ مسرت سے) رونے لگے۔ قتادہؒ کہتے ہیں: مجھے بتایا گیا کہ نبی ﷺ نے البینۃ: ا پڑھ کر سنائی۔‘‘ (صحیح البخاری:۴۹۶۰)

احادیثِ مبارکہ میں ہے:

(۱) حضرت براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ)) (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجہ واحمد)

''قرآن کو اپنی (شیریں) آوازوں سے مزین کرو۔''

(۲) نیز بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''اپنی آوازوں سے قرآن میں حسن پیدا کرو' کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔'' (سنن دارمی: ۳۵۴۴)

ظاہر ہے کہ صوتِ حسن کا تعلق تلاوت سے ہے' قرآن کریم کے معانی ومطالب کو سمجھنے کا مدار علم' فہم اور عقل پر ہے' اس کا حسنِ صوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حذیفہ بن یمان ؓ بیان کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قرآن کو اہل عرب کے لہجے اور آوازوں میں پڑھو اور یہود ونصاریٰ اور فاسقوں کے لہجے میں نہ پڑھو' کیونکہ میرے بعد عنقریب ایسی قوم آئے گی جو گویوں' راہبوں اور نوحہ خوانوں کے طرز پر کلمات کو بار بار لوٹا کر پڑھیں گے' قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' اُن کے دلوں کو آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے اور جو لوگ انہیں سن کر اُن کی تحسین کرتے ہیں اُن کے دلوں کو بھی آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔'' (المعجم الاوسط: ۷۲۲۳)

یعنی قرآنِ کریم کی تلاوت خشوع وخضوع سے کرنی چاہیے' اس سے روح کو قرار وسکون ملنا چاہیے' اسے تقدیس وحرمت سے عاری لذتِ سماع کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔

الغرض شیریں کلامی اور حسنِ صوت ہی قرآن کا مقصود ومدعا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں' نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص قراءت وحفظ قرآن میں ماہر ہے' اُس کا حشر نیکوکار معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے اور (زبان میں لکنت کے باعث) اٹک اٹک کر دشواری سے پڑھتا ہے' تو اس کے لیے دہرا اجر ہے۔'' (مسند احمد: ۲۶۲۹۶)

یعنی تلاوتِ قرآنِ کریم بالذات مقصود بھی ہے اور اللہ کے ہاں اجر کا باعث ہے۔ نیز اگر مقصدِ نزولِ قرآن کو صرف معانی ومطالب اور احکام کو جاننے تک محدود رکھا جائے' تو یہ ایک قانون کی کتاب بن کر رہ جائے گی اور اہلِ ایمان کے دلوں میں جو اس کی تقدیس وحرمت اور تعظیم ہے' اُس

کے نقش ماند پڑ جائیں گے۔ حالانکہ کوئی شخص معانی نہ سمجھنے کے باوجود اسے اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھتا یا سنتا ہے تو اس کا دل روحانی کیف وسرور سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر اللہ کی جلالت طاری ہوتی ہے۔ خود قرآن کے کلمات اس پر شاہد ہیں کہ دل پر اللہ کی ہیبت طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا تلاوت کی اہمیت کو کم کرنا تعظیم وحرمتِ قرآن کے کم کرنے کا سبب بنے گی اور سعادتِ تلاوت کے اجر سے محرومی کا باعث بنے گی۔ پھر تو لوگ قرآنِ کریم کے کلماتِ مبارکہ کو چھوڑ کر اردو تراجم میں محو ہو جائیں گے' جب کہ اس پر اُمت کا اتفاق ہے کہ اردو ترجمہ قرآن کا معنی ضرور ہے' لیکن یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ اُن برکات کا حامل ہے جو کلامِ الٰہی کے لیے قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں۔ جو حضرات قرآن کا مقصود صرف اس کے معنی یا ترجمہ جاننے تک محدود رکھتے ہیں' اُن کے نزدیک قرآن کو چھونے کے لیے باوضو اور پاک ہونا بھی ضروری نہیں ہے اور وہ سورۃ الواقعہ کی ان آیات کا وہ معنی مراد نہیں لیتے جو جمہور علمائے امت نے مراد لیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝٧٧ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝٧٨ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝٧٩﴾

''بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے' محفوظ کتاب میں' اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔''

یعنی قرآنِ مجید کو چھونے کے لیے حَدَثِ اصغر (بے وضو ہونے) اور حدثِ اکبر (جنابت) دونوں سے پاک ہونا چاہیے' جب کہ مسِّ قرآن کے لیے طہارت کو شرط نہ ماننے والے' اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں پاک فرشتے اسے چھوتے ہیں' مگر حدیثِ پاک میں اس کے معنی یہی بیان کیے گئے ہیں:

((لَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ))

''قرآن کو نہ چھوئیں مگر باطہارت لوگ۔'' (موطا امام مالک: ۲۳۴)

۞ ۞ ۞

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ''بیان القرآن'' کے ترجمہ وترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں' آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

اُمّتِ مُسلمہ کی فکری و نظریاتی خلیج میں جدید نظامِ تعلیم کا کردار

محمد ندیم اعوان

جدید تعلیمی نظام اور اس کے دُور رَس مہلک و مضر اثرات کے بارے میں آج تک اگر کسی شخص نے انتہائی سادہ‘ مختصر اور بلیغ انداز میں کلام کیا ہے تو وہ اکبر الٰہ آبادی ہیں۔ جدید تعلیم پر تنقید کے حوالے سے اُن کا ایک شعر زبان زدِ عام ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی!

ان دو فقروں میں انہوں نے اُس گہری حقیقت کو واضح کر دیا ہے‘ جسے آج کے دانشور شاید سینکڑوں صفحات اور درجنوں ضخیم جلدوں میں بھی نہ کر پاتے۔

انہوں نے اپنی شاعری میں انگریزوں کی خیر خواہی کے پس پردہ چھپے مذموم مقاصد‘ جنہیں انگریز تعلیم کی آڑ میں حاصل کرنا چاہتے تھے‘ کا بھی پردہ چاک کیا ہے۔ اس نظامِ تعلیم کے مہلک و مضر اثرات و نتائج‘ جن کا آج ہم اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں‘ انہوں نے سو سال قبل اپنی شاعری میں ان کا برملا اظہار کر کے مسلمانوں کو آگاہ کیا‘ مثلاً ؎

میں کیا کہوں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے کیا‘ نوکر ہوئے‘ پنشن ملی اور مر گئے!

اور ؎

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے‘ تعلیم ہے سرکار کی

وہ اپنا دوٹوک موقف اور جدید تعلیمی نظام کے خوشہ چیں طبقے کی اخلاقی حالت کا نقشہ یوں

کھینچتے ہیں ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر الٰہ آبادی مسلمانوں کے لیے جس تعلیمی نظام کے خواہاں اور داعی تھے‘ اسے وہ یوں بیان فرماتے ہیں ؎

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو‘ صنعتیں سیکھو‘ ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطرافِ دنیا میں سفر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو‘ علومِ بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنی غیرت کو جگہ دو‘ جوش میں آؤ!

اکبر الٰہ آبادی وہ شخص ہیں جو انگریزوں کے دورِ اقتدار میں مختلف سرکاری عہدوں پر تعینات رہے۔ ۱۸۷۲ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور مسلسل آٹھ سال تک مقدمات لڑتے رہے۔ ۱۸۹۴ء میں جج مقرر ہوئے‘ انگریزوں کی طرف سے ’’خان بہادر‘‘ کا خطاب بھی ملا اور نو سال منصفی کا فریضہ سرانجام دینے کے بعد ۱۹۰۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ لہٰذا کوئی سیکولر و لبرل دانشور یا پھر روشن خیال جدید تعلیم یافتہ طبقے کا وہ نوجوان جو مغربی تہذیب کا اسیر ہو‘ اُس کی کبریائی کا اعلان کر چکا ہو اور اُسے قبلہ اوّل و آخر تصور کرتا ہو‘ اکبر کو اُس کی شاعری کے نتیجے میں ’’مسجد کا امام‘‘ یا ’’مدرسے کا مولوی‘‘ کہہ کر مسترد کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

کیسے ممکن ہے کہ جدید نظامِ تعلیم کی بات ہو اور اقبال کے افکار و نظریات کو فراموش کیا جائے۔ مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ (جنہیں فقط شاعر مشرق کہنا اُن کی مسلمہ حیثیت کو گھٹانے اور اُن کے افکار و نظریات کی وسعت و گہرائی و چہار دانگ پذیرائی کو کسی ملک یا خطے تک محدود کرنے کی ناکام کوشش ہے) جو جدید نظامِ تعلیم کے آتش کدہ میں کود پڑے اور ابراہیمی خصوصیات کے ساتھ جب واپس نکلے تو اعلان کیا ؎

طلسمِ علمِ حاضر را شکستم ربودم دانہ و دامش گسستم

خدا داند کہ مانندِ براہیمؑ — بنارِ اُو چہ بے پروا نشستم

(میں نے علم حاضر کے جادو کو شکست دے کر وہاں سے دانہ اُچک لیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُس آگ میں کس طرح بے پروا بیٹھا رہا۔)

اور کبھی فرمایا کرتے تھے ؎

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

آپ جدید تعلیم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ اِلاّ اللہ!

اور ؎

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

موجودہ نظامِ تعلیم کے اثرات و نتائج کے بارے میں آپ یوں گویا ہوئے ؎

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُدھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اِک ڈھیر!

آج آپ خلوصِ نیت اور تہِ دل سے جائزہ لیں، آپ کو ہر طرف ذہنی خلفشار و فکری انتشار، اضطراب و تذبذب، نااُمیدی و مایوسی، افراتفری، پریشانی، بے روزگاری، انتہا پسندی، تربیت اور قیادت کا فقدان، ہر طرف پھیلے بے یقینی کے مہیب سائے، نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی، مادہ پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان، سیکولرازم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، لبرل ازم کی تند و تیز زہریلی آندھی، مغربی تہذیب کی بدتمیزیاں، سامراج کی بدمعاشیاں، عالمی اداروں کی ریشہ دوانیاں، اُمتِ مُسلمہ کی بے بسی اور تنزلی، ذہنی مرعوبیت، بکھرتے ہوئے خاندانی نظام، پامال ہوتی ہوئیں اسلامی اقدار اور بدلتی ہوئی خاندانی و معاشرتی روایات نظر آئیں گی۔ ہم آج جس عمیق نفسیاتی کشمکش اور بحرانی کیفیت کا شکار ہیں، اس کی نظیر آپ کو پوری انسانی، اخلاقی، نفسیاتی اور مذاہب کی تاریخ میں

بھی نہیں ملے گی۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ہر معاملے میں مغرب کو مقتدا اور رہنما تسلیم کر لیا ہے اور خود مختار ہونے کے بجائے ہر معاملے میں اُن کے خوشہ چیں ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ’’تعلیم اور نظامِ تعلیم‘‘، جس کے ذریعے عقائد و افکار، نظریات و تخیلات، روایات اور قومی منشور کو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل کیا جاتا ہے، اُسے بھی مغرب سے درآمد کرنے میں دریغ نہیں کرتے، حالانکہ یہ کوئی ایسی شے نہیں جسے کسی دوسرے ملک سے درآمد کیا جائے۔ تعلیم یا نظامِ تعلیم نہ تو کوئی تجارتی سامان ہے نہ مصنوعات نہ خام مال، جو کسی خطے یا علاقے کے ساتھ مخصوص ہو، بلکہ یہ تو ایک ایسا لباس ہے جو اقوام کے قد و قامت اور جسامت کے ٹھیک ناپ کے مطابق تراشا اور سیا جاتا ہے، اور پسندیدہ و محبوب علوم و فنون اور ان کے مقاصد کو سامنے رکھ کر تیار کیا جاتا ہے۔

وہ ترقی یافتہ ممالک جن کی تعمیر و ترقی، ایجادات و انکشافات، اختراعات و تجربات اور نت نئی تحقیقات کے آگے بدترین غلامی میں جکڑے ہوئے مرکزی تعلیمی اداروں میں براجمان ہمارے سیکولر و لبرل عناصر کی رال ٹپکتی ہے، وہ ممالک بھی دیگر ہم فکر و ہم خیال ممالک سے نظامِ تعلیم مستعار لینے کو گوارا نہیں کرتے۔ مثلاً آپ امریکا و یورپ کو ہی لے لیجیے جو (بظاہر) عقائد، افکار و نظریات میں مطلق آزادی اور مذہبی رواداری کو تحفظ دینے کے لیے بین الاقوامی قوانین تک تشکیل دیتے ہیں اور علم و سائنس کے میدان میں تحقیقات و تجربات کو نوعِ انسانی کا مشترکہ اثاثہ سمجھتے ہیں اور اُن سے استفادہ کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن دوسری طرف وہ کسی بھی طرح ایسے نظامِ تعلیم کے روادار نہیں جو کسی بھی پیمانے پر اشتراکیت کا حامی ہو، بلکہ امریکا کے ایک فاضل ڈاکٹر جے بی کانٹ نے اپنی کتاب ’’ایجوکیشن اینڈ لائبرٹی‘‘ میں لکھا ہے:

’’تربیت کے اصول و ضوابط، لین دین اور خرید و فروخت کی چیز نہیں اور نہ کوئی ایسا سامان ہے جس کی درآمد برآمد کی جائے۔ ہم نے ماضی میں یورپی اور انگریزی (برطانوی) تعلیمی نظریات کو امریکا میں اختیار کر کے نفع سے زیادہ نقصان اٹھایا ہے۔‘‘

ایک دوسرے مفکر جان ڈیوی اپنی کتاب ’’ڈیموکریسی اینڈ ایجوکیشن‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’قومیں تجدید کے سہارے زندہ رہتی ہیں، اور تجدیدی کوششوں کی بنیاد بچوں کی تعلیم پر قائم کی جاتی ہے۔ قوم مختلف طریقوں سے ناخواندہ افراد میں سے اپنے وسائل اور اپنے نظریۂ زندگی کے لیے صالح ورثاء مہیا کرتی ہے، اور ان کو اپنے عقائد اور اصولوں کے سانچے میں

ڈھالتی ہے۔''

آپ برطانیہ کو لے لیجیے' جو زبان' عادات' اطوار' تہذیب و تمدن' خیالات' افکار و نظریات اور سیاسی مصالح میں امریکا کے ساتھ باہم شیر وشکر ہے' یہاں تک کہ دونوں ممالک میں پروٹسٹنٹ مذہب کا غلبہ ہے' لیکن تعلیم و تربیت کے معاملے میں اُن کا بھی موقف واضح ہے۔ برطانیہ کے ایک ماہرِ تعلیم ورنون میلی سن نے اپنے مقالے

''An Introduction to the Study of Comparative Education''

جسے ۱۹۵۷ء میں لندن سے شائع کیا گیا' کے صفحہ ۴ میں اس بات پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''تعلیم ایک قسم کا ذہنی منشور ہے جو پورے معاشرے کے مشترکہ مقصد اور مشترکہ کوششوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ایک طرح یہ بڑے پیمانے پر قومی جذبہ کی عکاسی کرتا ہے' اور ان خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے جو معاشرہ کے نصب العین کی خوبی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔''

برطانیہ کے معروف اور ممتاز مفکّر سر برسی لن انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے ایک مقالے میں تعلیم و تربیت کے حوالے سے ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''لوگوں نے تربیت کی تعریف متعیّن کرنے میں مختلف رائیں اختیار کر رکھی ہیں' لیکن ان تمام میں مشترک اصل اور بنیادی نقطہ یہ ہے کہ تربیت قوم کے بزرگوں اور تربیت دینے والوں کی اس کوشش کا نام ہے جو وہ نئی نسل کو اپنے اختیار کردہ نظریۂ زندگی کے مطابق ڈھالنے کے لیے کرتے ہیں' اور ایک مدرسہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طالب علم میں نظریۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے عوامل کو اثر انداز ہونے کا موقع فراہم کرے اور طالب علم کی ایسی تعلیم و تربیت کرے کہ اس کے لیے اپنی قومی زندگی کی حفاظت اور اس کو آگے بڑھانا ممکن ہو سکے۔''

ایک دوسرے مقالے میں اس بات کو مزید واضح انداز میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''تعلیم صرف اس عقیدہ کو مضبوط کرنے کا ایک مہذب اور شائستہ طریقہ ہے' جس کا حامل یہ ملک یا قوم ہے۔ اس کا مقصد فکری طور پر اس کو غذا دینا' اس پر اعتماد کرنا اور اگر ضرورت ہو تو علمی دلائل سے اس کو مسلح کرنا ہے۔ وہ اس عقیدہ کے دوام و بقا کا وسیلہ اور بے کم و کاست آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ نظامِ تعلیم کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ والدین اور مربیوں اور نگرانوں کی اس سعی پیہم کا نام ہے جو وہ اپنی اولاد کو اپنے

دین و مسلک پر قائم رکھنے کے لیے کرتے رہتے ہیں' اور ان کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ورثہ کے (جو انہوں نے اپنے آباء واَجداد سے حاصل کیا تھا) صالح واہلِ وارث اور امین ثابت ہوں' اور ان کے اندر اس ثروت میں اضافہ اور توسیع اور اس کو ترقی دینے کی پوری صلاحیت ہو۔''

آپ روس کو ہی لے لیجیے' جہاں کے لوگ ہر قسم کی اجارہ داری کے منکر اور کسی بھی قسم کے حدود و قیود اور پابندیوں کو خاطر میں نہ لانے کے دعوے دار ہیں' جنہوں نے تمام ادیان و مذاہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا ہے اور آزادیٔ مطلق کے علمبردار ہیں' لیکن نظریاتی اور عملی طور پر انہوں نے تمام علوم کو کمیونزم کا تابع کر دیا ہے' چاہے وہ سائنسی علوم ہوں' سماجی علوم ہوں' عمرانی علوم ہوں یا پھر جغرافیہ اور تاریخ' ان تمام کے تمام علوم میں کمیونزم کے مؤسسین اور بانیوں کارل مارکس' اینجلز اور لینن کے افکار و نظریات کو نئی نسل تک منتقل کیا جاتا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی آمیزش کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔ ایک روسی ماہر طبیعیات میک گاورن کا کہنا ہے:

''روسی علم عالمی علم کی قسموں میں سے کوئی قسم نہیں' بلکہ اس سے الگ اور مستقل بالذات علم ہے جو دوسری قسموں سے بہت مختلف ہے' کیونکہ سوویت علم کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیادیں واضح اور ممتاز فلسفہ پر استوار ہیں۔ علمی تحقیقات کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہونی چاہیے اور ہمارے علم کی بنیاد وہ مادی فلسفہ ہے جسے مارکس' اینجلز' لینن اور اسٹالن نے پیش کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ طبیعیاتی علوم کے میدان میں یہی فلسفہ لے کر داخل ہوں اور پوری قوت اور پامردی کے ساتھ ان تمام نظریات اور فلسفوں کا مقابلہ کریں جو ہمارے مادی' مارکسی فلسفہ سے ٹکراتے ہیں۔''

اس ضمن میں اگر آپ نومولود اور قابض اسرائیلی ریاست کے نصاب و نظامِ تعلیم کا مطالعہ کریں گے تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور شاید آپ کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں۔ اس بگڑی ہوئی قوم نے اپنے اہداف و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کو اس عرق ریزی کے ساتھ تشکیل دیا ہے کہ سن بلوغت تک پہنچتے ہی طلبہ کو اپنی زندگی کے مقصد سے آشنا کر دیا جاتا ہے اور نظریاتی طور پر اُن کی اس انداز سے تربیت کی جاتی ہے کہ وہ مذاہبِ عالم سے وابستہ دیگر تمام انسانوں کو رذیل' احمق اور انسان نما حیوان سمجھتے ہیں اور خود کو ''نجات دہندہ'' اور خدا کی ''چہیتی قوم'' تصور کرتے ہیں۔

ڈاکٹر راڈرک ماتھیوز اور ڈاکٹر متی عقراوی نے اپنی کتاب ’’التربیۃ فی الشرق الغربی‘‘ میں اسرائیلی نسل کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے لکھا ہے:

’’فلسطین کے اسرائیلی مدارس میں سب سے اہم اور قابل توجہ چیز یہ ہے کہ انگریزی‘ فرانسیسی اور عربی زبانوں کی تعلیم کے علاوہ تمام مضامین میں ذریعہ تعلیم عبرانی ہے‘ اور تعلیم کے تمام مراحل میں مذہبی تعلیم اور اس کو صہیونیت کی بقاوترقی کی بنیاد بنانے پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کے سابق صدر موشے کٹساوٗ نے اپنے نظامِ تعلیم پر بڑے کھلے اطمینان کا اظہار کیا ہے‘ جسے امریکہ میں مقیم ایک عرب عیسائی مصنف سٹیون سلائیطا نے اپنی کتاب "Anti Arab Racism in the USA" کے صفحہ ۳۹ پر ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

’’رات کو اسرائیلی ایک پرسکون نیند لیتے ہوں گے‘ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کی نصابی کتابیں اپنا کام خوب کر رہی ہیں۔‘‘

ماہنامہ ’’فلسطین‘‘ میں ’’اسرائیل میں اعلیٰ تعلیم‘‘ کے عنوان سے مقالہ نگار نے ایک رپورٹ میں اسرائیل میں اعلیٰ تعلیم کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:

’’اعلیٰ تعلیم میں جو سیاست کارفرما ہے‘ اس کا اصل مقصد یہودی عقیدہ کی ترویج واشاعت‘ اس کے ساتھ محبت وتعلق میں اضافہ‘ ساتھ ہی اسرائیل کے لیے پروپیگنڈا اور اس کے لیے دوستوں کی تلاش ہے۔‘‘

مذہبی تعلیم (جسے ہمارے روشن خیال سیکولر ولبرل دانشور بنیاد پرستی سے تعبیر کرتے ہیں) کا اس شدت سے اہتمام کیا جاتا ہے جس کا اندازہ آپ یہودی مصنفین اسرائیل شحاک اور نارٹن میزونسکی کی مشترکہ کتاب ’’اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی‘‘ کے اقتباسات سے لگا سکتے ہیں‘ وہ لکھتے ہیں:

’’اسرائیل کے تعلیمی اداروں میں طلبہ کے لیے یہودیوں کی بنیادی مذہبی کتاب ’’تالمود‘‘ کا مطالعہ لازمی ہے۔ نیز تعلیمی حکام طلبہ کو یہ ہدایات ضرور دیں کہ عبادت کرنے‘ خیرات دینے اور دوسرے نیک کام کرنے کی بجائے تالمود کا مطالعہ ان کے لیے جنت میں داخلے کے لیے زیادہ بہتر ہے‘ اور جو طلبہ تالمود کے مطالعے میں منہمک ہوتے ہیں‘ وہ خود اپنے‘ اپنے خاندان‘ اپنے مالی معاونین اور دوسرے یہودیوں کے لیے بھی کسی حد تک جنت میں داخلے کا ذریعہ بنتے ہیں۔‘‘

اسی کتاب میں صفحہ ۱۷۹ پر اُس انتہا کی ’’بنیاد پرستی‘‘ کا ثبوت دیا گیا ہے جس کی نظیر شاید آپ کو دوسرے مذاہب کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ موصوف لکھتے ہیں:

’’اسرائیل کے قیام کے چند سال بعد ہی اول درجے کے اسکولوں کی ریاضی کی کتابوں سے جمع کا نشان (+‘ جو کہ عیسائیوں کے صلیب کے مشابہ ہے) ختم کر کے اس کی جگہ (T) کا نشان لگایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جمع کا نشان (+) یہودی بچوں کے لیے مذہبی اعتبار سے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہے۔‘‘

اسرائیلی تعلیمی حکام نے ’’پروٹوکولز‘‘ کی ’’سولہویں دستاویز‘‘ میں اس عزم کا اظہار بھی کیا ہے:

’’جب ہماری حکومت قائم ہو گی تو سب سے پہلے ہم یونیورسٹیوں کی تعلیم از سرنو مرتب کریں گے۔ اس مقصد کے لیے ایک خفیہ پروگرام کے تحت جامعات کے اساتذہ کو بھی فکری تربیت دی جائے گی اور نصاب سے ایسے تمام مضامین خارج کر دیے جائیں گے جو ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کے باعث بن سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ غیر یہودی عوام کو ایسا فرمانبردار وحشی جانور بنا دیا جائے جو خود سوچنے اور سمجھنے سے عاری ہو۔‘‘

اس کے برعکس ہم نے تعلیم وتربیت کے اصولوں کو معاشرے اور زندگی سے الگ کر کے اسے بے جوڑ معلومات کو نسل در نسل منتقل کرنے کا ایک بے جان آلہ بنا دیا ہے‘ جس میں باہم مربوط کرنے والی وحدت اور امت کو ایک نکتہ پر جمع کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے‘ اور یہی نظریہ ہماری سب سے بڑی اور بنیادی غلطی ہے۔

انتہائی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ وہ ملک جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا‘ یہاں بھی بیسیوں نظامہائے تعلیم نئی نسل کے افکار ونظریات کو منتشر کرنے اور انہیں ایک دوسرے سے باہم دست وگریباں کرنے کا فریضہ بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ شومئ قسمت کہ ہم پون صدی سے کسی ایک نظامِ تعلیم پر متفق نہیں ہو پا رہے۔ کہیں پر آکسفورڈ کے نصاب سے نئی نسل کے ذہنوں کو پراگندہ کیا جا رہا ہے تو کہیں پر کیمبرج کے نام پر اخلاقیات کی دھجیاں اُڑائی جا رہی ہیں۔ اور سرکاری یا نجی اشاعتی اداروں کی کتابوں میں جہاں کہیں تاریخ اسلام‘ سیرتِ نبوی‘ سیرتِ صحابہ‘ جہاد سے متعلق مختلف سورتیں اور احادیث‘ تحریکِ آزادی‘ تحریکِ ریشمی رومال‘ تحریکِ خلافت‘ قیامِ پاکستان کی تحریک اور اس کے علاوہ نامور اور ممتاز مسلمان لیڈر اور سپہ سالاروں کا تذکرہ

موجود تھا‘ اُسے بھی رفتہ رفتہ ختم کر کے موجودہ گندی سیاست کے دھوکے باز سیاسی رہنماؤں اور پارٹی لیڈروں کے تذکرے کو شامل کرلیا گیا ہے۔

بے شک ہمیں مختلف علوم وفنون اور نظامہائے تعلیم وتربیت کے نظریات‘ چاہے وہ مغرب کے ساختہ پرداختہ ہوں یا مشرق کے پروردہ‘ سے استفادہ کرنا چاہیے‘ لیکن ہمیں چاہیے کہ انہیں ان کی تمام تفصیلات و جزئیات کے ساتھ‘ انسانی علوم کا معراج اور منتہائے کمال اور حرف آخر تصور نہ کریں‘ بلکہ اِن تمام علوم وفنون اور نظامہائے تعلیم وتربیت کے ساتھ خام مال کا سا معاملہ کریں اور اس کو مقامی اثرات اور وقتی مصالح‘ الحاد‘ اخلاقی اقدار کی تضحیک اور ہر قسم کے فساد سے پاک کریں۔

اس غیر فطری صورتحال سے چھٹکارا پانے اور وسیع ذہنی‘ فکری ونظریاتی خلیج جس میں جدید تعلیمی نظام کا ہمیشہ سے مرکزی کردار رہا ہے‘ کو ختم کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس پورے نظامِ تعلیم کو یکسر تبدیل کیا جائے اور ازسرنو ایک نیا نظامِ تعلیم متعارف کیا جائے‘ جو مشرق و مغرب کے سیاسی اثرات اور مصالح ومفادات سے آزاد ہو‘ جو اُمتِ مُسلمہ کے اجتماعی مفادات‘ ضروریات‘ رجحانات‘ عقیدہ وتہذیب سے ہم آہنگ اور قد وقامت پر راست آتا ہو اور اس کی دینی و دنیاوی ضروریات پوری کرسکتا ہو۔ یہ کام اگرچہ انتہائی دقیق‘ پیچیدہ اور مشکل ہے اور اس کے نتائج بھی بہت تاخیر سے ظاہر ہوں گے‘ لیکن مغرب کی ذہنی غلامی کا خول توڑنے‘ روشن خیالی اور آزاد خیالی کے بھنور سے نکلنے‘ تجدد پسندی کے آگے بند باندھنے اور مغرب کی طرف سے آنے والے ہر طوفان کو روکنے کا واحد راستہ ہے۔ آج کے اس جدید دور میں یہ اُمتِ مُسلمہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ ❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

الارض: قرآن حکیم کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد سرشار خان☆

قرآن حکیم میں جہاں بھی کائنات کا ذکر آتا ہے آسمانوں کے ساتھ عموماً زمین کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ جیسے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ ، مُلکُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ ، خَلقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ، مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرضِ ---- اگر صرف سمٰوات ہی کا ذکر کر دیا جاتا تو ان کے اربوں کھربوں ستاروں اور دیگر اجرامِ فلکی سمیت زمین بھی اس میں شامل سمجھی جاتی‘ مگر یہ چھوٹا سا نیلگوں سیارہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک بہت اہم ہے‘ کیونکہ یہ نہ صرف اس کی تخلیق کے شاہکاروں میں سے ایک ہے بلکہ یہاں پر ہی اس نے اپنی خوبصورت ترین اور احسن تخلیق کو‘ جسے اُس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا‘ با اختیار خلیفہ بنا کر اتارا۔ پھر آخری اور مکمل رہنمائی کے لیے ہادیٔ عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو زمین پر اُتارا تو یہ کوئی اچانک اور عجلت میں کیا ہوا فیصلہ نہیں تھا۔ زمین دیگر اجرامِ فلکی کی طرح بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی کی پیدائش اور بقا کے لیے رفتہ رفتہ سازگار بنایا اور جب حضرت انسان کی دنیا میں آمد ہوئی تو وہ تمام تر سہولتوں‘ آسائشوں اور درکار ضروریاتِ زندگی کے ساتھ خلیفۃ الارض کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل)

’’ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت بخشی۔‘‘

﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

☆ سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ویٹرنری انسٹیٹیوٹ لاہور

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ ﴾ (الرعد)

''اور وہی ہے جس نے پھیلا دیا زمین کو اور بنا دیے اس میں پہاڑ اور دریا۔ اور ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنا دیئے وہ ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو۔ بے شک ان تمام چیزوں میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والوں کے لیے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر آسمانوں اور زمین اور اس میں موجود اشیاء کے بارے میں غور وفکر کر کے راہ ہدایت پر گامزن رہنے کا حکم دیتا ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ﴾ (آل عمران)

''آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور دن رات کے بدلنے میں ان عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو کھڑے بیٹھے اور کروٹ کے بل لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، اور آسمان و زمین کی پیدائش پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں (اور پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث پیدا نہیں فرمایا، تو پاک ہے، پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

زمین اور کائنات

زمین کی تخلیق میں غور وفکر سے پہلے ہم ہر لحظہ وسعت پذیر کائنات پر مختصراً بات کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ ﴾ (النّٰزعٰت)

''کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا پوری سماوی کائنات کا؟ جسے اُس نے بنایا۔ اُس نے آسمان کے تمام کُرّوں کو (یعنی ستاروں کو فضائے بسیط میں پیدا کر کے) عظیم الشان بلندیوں پر رکھا، پھر ان (کی ترکیب وتشکیل اور افعال وحرکات) میں اعتدال، توازن اور استحکام پیدا کر دیا۔ اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو ظاہر کر دیا۔''

اس کے بعد کی چار آیات زمین کی تشکیل کے بارے میں ہیں۔ زمین کائنات کی تشکیل کے کافی مدت بعد وجود میں لائی گئی۔ فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ ﴾ (النّٰزعٰت)

''اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا۔ اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے۔ سامانِ زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔''

آغازِ کائنات

سائنسی ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ یہ کائنات آغاز میں مادے اور توانائی کا انتہائی کثیف نقطہ تھی۔ جب یہ نقطہ بے پناہ قوت کے ساتھ پھٹا تو جو گیسیں تمام اطراف میں پھیلیں ان کے انجماد و قوتِ کشش اور برقی مقناطیسی قوت کی موجودگی میں اربوں سال کے دباؤ کے نتیجے میں آج سے ۱۲۔۱۳ بلین سال قبل وجود میں آئی۔ اس نظریے کو بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) کا نام دیا گیا ہے۔ اس طرح کے نظریے کے اشارات قرآن حکیم سے بھی ملتے ہیں۔

کائنات کے بارے میں انسانی علم ابھی بہت محدود ہے۔ ہر لحہ پھیلتی اور نئی کہکشائیں وجود میں لاتی ہوئی کائنات کے فاصلے ناپنے کے لیے نوری سال (light year) کی اصطلاح بھی اب بہت چھوٹا عدد بن گئی ہے۔ (روشنی کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ جتنا فاصلہ روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے اس فاصلے کو ایک نوری سال کہتے ہیں)۔ سورج کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں تقریباً ۸ سیکنڈ لگتے ہیں۔ یعنی سورج کا زمین سے فاصلہ ۸ سیکنڈ ہے۔ ۴۰۰ بلین سورجوں والی ہماری درمیانے درجے کی کہکشاں میں ہمارے سورج کے بعد قریب ترین دوسرے سورج/ستارے کا فاصلہ ۴ نوری سال اور ۴ ماہ ہے۔ ہماری کہکشاں کو ملکی وے (milky way) کا نام دیا گیا ہے، جس کی لمبائی ایک لاکھ نوری سال اور چوڑائی تقریباً ۲۵ ہزار نوری سال ہے۔ اس میں ایک ایسا سورج بھی ہے جس میں ہمارے ۹۰۰ سورج سما سکتے ہیں۔ ہماری کہکشاں خود اپنے مرکز کے گرد ۲۲۵ ملین سال میں اپنا ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ کہکشاں کے مرکز کے قریب واقع سورج/ستارے ۹۰۰ میل فی سیکنڈ تک کی ناقابلِ یقین رفتار سے کہکشاں کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

اب ہم دیگر کہکشاؤں کی بات کرتے ہیں۔ اب تک مجموعی طور پر ۱۳۵ ارب کہکشائیں دریافت ہو چکی ہیں۔ بعض کہکشائیں زمین سے اتنی دور ہیں کہ وہاں تک پہنچنے میں ۱۲ کھرب

نوری سال سے بھی زیادہ وقت درکار ہوگا۔ انسان اگر روشنی کی رفتار سے چلنے والا خلائی جہاز بنا لے تب بھی وہ کائنات کے ایک معمولی حصے کو بھی پوری طرح دریافت نہیں کر سکتا' کیونکہ کائنات نہایت تیز رفتاری سے چاروں طرف مزید پھیلتی جا رہی ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ (الذّٰریٰت)

''ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم (اس کو) توسیع دینے والے ہیں۔''

یعنی یہ کائنات مسلسل وسعت پذیر ہے۔ اس آیت کی وضاحت میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''... مُوْسِع باب افعال سے اسم الفاعل ہے اور اس کے معنی ہوں گے: وسعت دینے والا۔ اس لحاظ سے یہاں ﴿اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس کائنات کو مسلسل وسعت بخش رہے ہیں' اسے وسیع سے وسیع تر کیے جا رہے ہیں۔ اور یہ وہی بات ہے جو آج ہمیں سائنس کی مدد سے معلوم ہوئی ہے۔ آج سے نصف صدی پہلے تک انسان کو یہ سب کچھ معلوم نہیں تھا مگر آج ہم جانتے ہیں کہ کائنات میں ہر گھڑی نئے نئے ستارے پیدا ہو رہے ہیں' ہر آن نئی نئی کہکشائیں وجود میں آ رہی ہیں اور یہ کائنات مسلسل پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ ''Expanding Universe'' کے اس تصور کو اقبالؔ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: ؎

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُنْ فَیَکُوْن

تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کُنْ فَیَکُوْن کا ظہور مسلسل جاری ہے۔ اسی مفہوم کو سورۃ فاطر کی پہلی آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ﴾ ''وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا رہتا ہے''۔ چنانچہ وہ آسمانوں کو یعنی کائنات کو مسلسل وسعت دیے جا رہا ہے۔'' (بیان القرآن' حصہ ہفتم' ص ۳۵۔۳۶)

مثلاً ایک کہکشاں ۷۰۰ نوری سال کے فاصلے پر ہے اور ۱۳۴۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے مرکز سے' جہاں وہ اپنے آغاز میں موجود تھی' دور ہٹتی جا رہی ہے۔

ہر کہکشاں کے مرکز میں ایک سیاہ سوراخ (black hole) ہوتا ہے۔ ہماری کہکشاں کے وسط میں بھی ایک بلیک ہول ہے جو حجم میں بہت کم مگر وزن میں ہمارے دس لاکھ سورجوں کے برابر ہے۔ ان بلیک ہولز کی کشش ثقل اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر پڑنے والی روشنی تک کو

واپس نہیں آنے دیتے۔ اسی وجہ سے وہ سیاہ نظر آتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں ناسا کے خلائی ادارے نے خلائی دوربین ہبل (Hubble) سے ہماری کہکشاں کا سب سے روشن ستارہ دریافت کیا جسے انہوں نے Little کا نام دیا۔ ماہرین کے مطابق یہ نیا ستارہ تقریباً ۱۰ لاکھ سے ۳۰ لاکھ سال پہلے وجود میں آیا۔ اس میں ہمارے سورج کے مقابلے میں ایک کروڑ گنا زیادہ توانائی ہے۔ ہمارا سورج جتنی توانائی ایک سال میں خارج کرتا ہے' یہ ستارہ اتنی توانائی ۶ سیکنڈ میں خارج کر دیتا ہے۔ اس سے بھی بڑا ستارہ ۱۶/اپریل ۱۹۹۱ء کو امریکی خلائی شٹل کے خلابازوں نے دریافت کیا جو ہمارے سورج سے ایک کھرب گنا بڑا ہے۔ اللہ اکبر!

جہاں تک ہمارے سورج کا تعلق ہے اس میں حرارت اور توانائی پیدا کرنے کے لیے اس کی ۴۰ لاکھ ٹن ہائیڈروجن گیس فی سیکنڈ خرچ ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اتنا بڑا ہے کہ اربوں سال سے چمک رہا ہے اور مزید اربوں سال چمکنے کا سامان رکھتا ہے۔ سورج بھی زمین کی طرح اپنے محور پر ۱۵۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھوم رہا ہے اور زمین سمیت اپنے تمام سیاروں کو ساتھ لیے اپنی کہکشاں کے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق سورج کی پیدائش سے لے کر اب تک اس نے صرف ۳۰ چکر پورے کیے ہیں۔ ہمارا سورج کہکشاں کے مرکز سے تقریباً ۳۰ ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿٣٨﴾﴾ (یٰسٓ)

''اور سورج چلتا رہتا ہے اپنے مقررہ راستے پر۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اُس ہستی کا جو بہت زبردست' بہت علم والا ہے۔''

ہمارا نظامِ شمسی

جو خلائی کُرّے کسی ستارے کے گرد محوِ گردش ہوں انہیں اس ستارے یا سورج کے سیارے کہا جاتا ہے۔ اپنی کہکشاں میں اب تک ۳۰۰ کے قریب سیارے دریافت کیے گئے ہیں' لیکن وہ سب مشتری (Jupiter) کی طرح سخت گرم اور زندگی سے محروم' اپنے اپنے سورج کے قریبی مداروں میں گردش کر رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی اور ایسا نظامِ شمسی دریافت نہیں کیا جا سکا جس میں دو یا تین سے زیادہ سیارے ہوں۔ ہمارا نظامِ شمسی اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس میں نو سیارے موجود ہیں اور ہو سکتا ہے کہ دسواں سیارہ بھی بہت جلد دریافت ہو جائے۔ اب ہم ان سیاروں کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

عطارد (Mercury): یہ سورج کے قریب ترین سیارہ ہے۔ دیگر سیاروں کے مقابلے میں یہ چھوٹا سا پتھریلا گولہ ہے جو سورج سے بہت زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے سخت گرم رہتا ہے۔ سورج کی زبردست کشش کے باعث جب یہ اپنے مدار میں ۲ چکّر مکمل کرتا ہے تو اپنے محور پر اس کی محض ۳ گردشیں مکمل ہوتی ہیں‘ جس کی وجہ سے یہ ایک طرف سے انتہائی گرم اور دوسری طرف سے انتہائی سرد ہوتا ہے۔ دن اور رات کے درجہ حرارت میں تقریباً ۱۰۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ کا فرق ہے۔ اس کا ایک دن ہمارے ۵۸ دن اور ۱۶ گھنٹے کے برابر ہے اور یہ سورج کے گرد اپنا چکر صرف ۸۸ دنوں میں پورا کر لیتا ہے۔ یعنی اس کا ایک سال ہمارے ۸۸ دنوں کے برابر ہے۔

زہرہ (venus): یہ سورج سے دوسرے نمبر پر ہے۔ یہاں کا درجہ حرارت ۴۵۰ سینٹی گریڈ ہے (۱۰۰ سینٹی گریڈ پر پانی ابلنے لگتا ہے) اس کی فضا زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل ہے اور اس میں گیسی سلفیورک ایسڈ (گندھک کا تیزاب) تہہ در تہہ موجود ہے۔ اس جہنم میں زندگی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا جہاں بارش بھی تیزاب کی ہوتی ہے۔ اس کی گردش اپنے محور پر بہت سست ہے اور یہ اپنے گرد ۲۴۳ دن میں ایک دفعہ گھومتا ہے۔ یعنی اس کا ایک دن اتنا لمبا ہے۔ سورج کے گرد یہ ۲۲۵ دن میں ایک چکر لگاتا ہے۔

زمین (Earth): یہ سورج سے تیسرے نمبر پر ہے۔ دیگر سیاروں کے متعلق جان کر آپ کو علم ہو جائے گا کہ اس کی مناسب اور متناسب فضا‘ سطح کے خدوخال‘ درجہ حرارت‘ مقناطیسی میدان‘ متنوع عناصر کی فراوانی اور سورج سے انتہائی مناسب فاصلہ اسے زندگی کے لیے خصوصی طور پر سازگار بناتے ہیں۔

مریخ (Mars): اس کی فضا میں بھی کاربن ڈائی آکسائیڈ کی کثرت ہے۔ شہابیوں کی بارش اور تیز ہواؤں سے ریت کے طوفان اٹھتے رہتے ہیں جو کئی کئی دن جاری رہتے ہیں۔ درجہ حرارت میں بہت کمی بیشی ہوتی ہے اور یہ منفی ۳۵ درجے تک بھی ریکارڈ کیا گیا ہے۔ یہ زمین سے ملتا جلتا سیارہ ہے‘ لیکن اب تک کی تحقیق کے مطابق زندگی سے یکسر محروم ہے۔ اس کا دن ۲۴ گھنٹے اور ۳۸ منٹ کا اور سال ۶۸۷ دنوں کا ہوتا ہے۔

مشتری (Jupiter): یہ ہمارے نظام شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے جس میں ہماری زمین جیسی ۳۱۸ زمینیں سما سکتی ہیں۔ یہ تمام کا تمام بھاری گیسوں پر مشتمل ہے (ہو سکتا ہے اس کا اندرونی حصہ

چٹانوں اور دھاتوں سے مل کر بنا ہو۔) اس کے بیرونی حصوں کا درجہ حرارت منفی ۱۴۳ درجے تک ریکارڈ کیا گیا ہے۔ یخ بستہ ماحول کے علاوہ طوفانی ہواؤں‘ شدید تابکاری اور گیسی حالت کی بنا پر یہاں زندگی کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اس کے ۱۴ سے زیادہ چاند ہیں جن میں سے ۲ ہمارے چاند سے بڑے ہیں۔ دن صرف ۱۰ گھنٹے کا ہے اور یہ سورج کے گرد ایک چکر ۱۲ سال میں مکمل کرتا ہے۔

زحل (Saturn): یہ سورج سے چھٹے نمبر پر ہے۔ یہ بھی پورے کا پورا گیس کا گولہ ہے۔ اس کے اردگرد گیس‘ پتھروں اور گرد و برف سے حلقے سے بنے ہوئے ہیں‘ جو اس کی پہچان ہیں۔ یہاں کا درجہ حرارت بھی بہت کم یعنی منفی ۱۷۸ سنٹی گریڈ ہے۔

یورینس (Uranus): اس کی سطح پر برف اور چٹانیں ہیں۔ فضا میں ہائیڈروجن‘ ہیلیم اور میتھین گیسیں بکثرت موجود ہیں۔ درجہ حرارت منفی ۲۱۴ درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک دن ۱۶ گھنٹے کا اور سال ہمارے ۸۴ سال کے برابر ہے۔

نیپچون (Neptune): یہ سیارہ سورج سے بہت زیادہ دور ہونے کی وجہ سے انتہائی سرد ہے۔ اس کی فضا بھی ہائیڈروجن‘ ہیلیم اور میتھین سے بھرپور ہے۔ یہاں ہر وقت دو ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک دن ۱۸ گھنٹے کا اور ایک سال ہمارے ۱۶۵ سالوں کے برابر ہے۔

پلوٹو (Pluto): اب تک دریافت ہونے والا نظام شمسی کا سب سے آخری سیارہ ہے‘ جس کا درجہ حرارت منفی ۲۳۸ سنٹی گریڈ ہے۔ یہ برف کا بڑا سا ڈھیر بنا رہتا ہے۔ اس کا ایک دن ساڑھے ۶ گھنٹے کا اور سال ۲۴۸ء۵ زمینی سالوں کے برابر ہے۔

کہکشاؤں اور نظام شمسی پر نظر دوڑانے سے احساس ہوتا ہے کہ کائنات میں حجم یا جسامت کے لحاظ سے زمین کی حیثیت تمام سمندروں کے کنارے پڑی ریت میں سے ایک ذرے سے زیادہ نہیں‘ لیکن اس میں اتنی حکمتیں اور نہایت اعلیٰ پیمانے پر ترتیب دیے گئے مکمل اور پیچیدہ نظام ہیں جن پر غور سے بے اختیار ایک عظیم اور لامحدود شعور رکھنے والی ہستی کے خالق ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اگر دلوں پر مہریں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوں تو دوسری بات ہے‘ ورنہ کائنات کی ہر چیز بلند آہنگ میں اپنے خالق کے ہونے کا اس کی حمد و تسبیح کے ساتھ اعلان کرتی نظر آتی ہے۔

آیئے ہم قرآن حکیم کی روشنی میں زمین کی ساخت اور اس میں کارفرما معجزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾

(البقرۃ)

’’جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں‘ رات دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں‘ ان کشتیوں میں جو انسانوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی ہیں‘ بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے‘ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے‘ ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو زمین اور آسمان کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں‘ بے شمار نشانیاں ہیں۔‘‘

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ۚ یُکَوِّرُ الَّیۡلَ عَلَی النَّہَارِ وَ یُکَوِّرُ النَّہَارَ عَلَی الَّیۡلِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿۵﴾﴾ (الزمر)

’’اُس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ رات کو لپیٹ دیتا ہے دن پر اور دن کو لپیٹ دیتا ہے رات پر‘ اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر دیا۔ تمام کے تمام ایک معین میعاد تک محوِ حرکت رہیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ! وہ زبردست ہے‘ بہت بخشنے والا۔‘‘

اس طرح کی دیگر کئی آیات ہیں جن میں زمین اور اس میں موجود اشیاء کے بارے میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ درج بالا آیات کو سمجھنے کے لیے پہلے ہم زمین کی حرکات اور اس کی ساخت کے بارے میں بات کریں گے۔ زمین اپنے سورج کے گرد چکر لگانے والے سیاروں میں سے تیسرے نمبر پر ہے۔ جسامت کے لحاظ سے نو سیاروں میں سے پانچواں بڑا سیارہ ہے‘ جو اپنے محور پر ۱۸ء۵ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھوم رہا ہے۔ یہ دن رات میں سولہ لاکھ میل بنتے ہیں۔ دن رات اسی گردش کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اپنے محور پر گھومنے کے علاوہ زمین سورج کے گرد ۶۷۰۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنا چکر ایک سال (۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۴۸ منٹ اور

۴۵ء۵۱ سیکنڈ) میں پورا کرتی ہے اور پورے سال میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کا بھی فرق نہیں پڑتا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾﴾ (یٰسٓ)

’’نہ تو سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔‘‘

جس طرح زمین سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے اسی طرح سورج بھی زمین اور دیگر سیاروں کو لے کر اپنے عظیم مدار میں چکر لگا رہا ہے۔

﴿اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ (الرعد:۲)

’’اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو ستونوں کے بغیر بلند کیا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھتے ہو‘ پھر وہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔ اُسی نے سورج اور چاند کو اپنے کام پر لگا رکھا ہے‘ ہر ایک اپنے وقت مقرر پر چلتا رہتا ہے......‘‘

سَخَّرَ کے معانی کسی چیز کو قہراً و جبراً کسی مخصوص غرض کی طرف لے جانے کے ہیں۔ یعنی تمام اَجرامِ فلکی صرف حکم خداوندی سے ہی مخصوص افعال سرانجام دے رہے ہیں‘ ورنہ بے پناہ توانائی‘ کششِ ثقل اور مرکز گریز قوتیں (Centripetal and centrifugal forces) اگر بے لگام ہو جائیں تو کائنات کی ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اپنے ارادہ و اختیار اور تصرف و اقتدار کے ذریعے انسان کے لیے مسخر کر دی ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اس کے لیے مسخر کردہ کائنات سے بنی نوع انسان کے لیے زیادہ سے زیادہ فوائد و منافع حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا عملی ثبوت مہیا کرے۔

زمین کی ساخت

زمین کا اندرونی حصہ یا قلب (inner core) ۷۵۹ میل چوڑا ہے جو ٹھوس لوہے اور نکل کا بنا ہوا ہے۔ اس کا درجہ حرارت ۹۸۰۰ فارن ہائیٹ ہے۔ اس کے ارد گرد مائع لوہے اور نکل کا ملغوبہ ہے‘ جس کی موٹائی ۱۴۰۰ میل ہے۔ اس کے باہر کی طرف والے حصے کی موٹائی ۱۸۰۰

میل ہے جو گاڑھی پگھلی ہوئی چٹانوں اور دیگر عناصر پر مشتمل ہے۔ اس کے اوپر زمین کے باہر والا ٹھوس حصہ (جس کی موٹائی زیادہ سے زیادہ ۱۹ میل ہے) اس پگھلے ہوئے لاوے پر کئی ٹکڑوں کی شکل میں ''تیر'' رہا ہے۔ بعض جگہوں پر سمندر کی تہہ میں اس کی موٹائی محض ۳ میل رہ جاتی ہے' جس کے نیچے پگھلی ہوئی چٹانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔

زمینی شگاف اور پہاڑوں کی تخلیق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾﴾ (الطارق)

''قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی' اور قسم ہے پھٹ جانے والی زمین کی۔ بے شک یہ (قرآن) قولِ فیصل ہے۔''

صدع کے معنی پھاڑنا یا پھٹنا کے ہیں۔ ایک معنی شگاف ڈالنا بھی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ زمین ایک ہی خشکی کے عظیم ٹکڑے پر مشتمل تھی اور باقی ہر طرف سمندر ہی تھا اور زمین کی موجودہ براعظمی سطحیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں' لیکن زیرِ زمین لاوے کی حرکت نے بحر اوقیانوس کے درمیان میں ایک شگاف پیدا کیا' پھر یہ گڑھا دونوں طرف پھیلتا چلا گیا اور براعظموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور دور کرتا گیا۔ اسے براعظمی بہاؤ (continental drift) کا نام دیا گیا۔ علیحدگی کا یہ عمل ۵ کروڑ سال پہلے مکمل ہوا اور کرۂ ارض نے موجودہ شکل اختیار کر لی۔ (اب بھی دباؤ اور علیحدگی کا یہ عمل ۵ سنٹی میٹر فی صدی کے حساب سے جاری ہے۔) براعظموں کو علیحدہ کرنے والا شگاف (fissure) اب بھی موجود ہے۔ اسے Mid Atlantic Ridge کہتے ہیں۔ یہ بحر اوقیانوس کے شمال میں گرین لینڈ کے مضافات سے شروع ہوتا ہے اور جنوب میں پورے بحر اوقیانوس میں پھیل جاتا ہے۔ دوسرا بڑا زمینی شگاف شمالی اور جنوبی امریکہ کے بحر الکاہل کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور جنوبی ایشیاء سے شروع ہو کر کوہ ہمالیہ کے نیچے سے گزرتا ہوا ترکی جا پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی زمین میں چھوٹے چھوٹے کئی شگاف ہیں۔

ان شگافوں اور زمینی پرتوں کی حرکات کی وجہ سے ہی Tectonics Plate کا نظریہ وجود میں آیا۔ اس کے مطابق ان شگافوں کے کناروں پر آتش فشانی عمل اور شدید دباؤ سے پہاڑوں

کے سلسلے وجود میں آئے۔ یورال پہاڑ اس وقت بنے جب براعظم یورپ براعظم ایشیا سے آ کر ملا۔ اس کے علاوہ جنوب مشرقی ایشیا کے بڑے پیمانے پر سرکنے کے عمل سے سمندر کی تہہ میں ایسی سلوٹیں پڑ گئیں جن کی وجہ سے انڈونیشیا کے جزائر کی زنجیر سی بن گئی۔ جیسا کہ شروع میں سب براعظم آپس میں جڑے ہوئے تھے اگر ایسا ہی حال رہتا تو زندگی اس کے کناروں پر ہی پنپتی' کیونکہ اس کا اندرونی حصہ سخت گرم اور عظیم صحرا پر مشتمل ہوتا۔ لہٰذا یہ شگافوں والی پھٹی ہوئی زمین زندگی کے لیے درکار ایک اہم اور زبردست ضرورت تھی' کیونکہ یہ شگاف آتش فشانی عمل اور پہاڑوں کے بننے کے عمل کے لیے ضروری تھے اور یہی شگاف زمین کی اندرونی زبردست حرارت کو متوازن رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

فرینک پریس اور ریمنڈ سیور (امریکی ماہرین ارضیات) لکھتے ہیں: ''زمین کے اندر ایک عظیم الشان لیکن نہایت خوبصورتی سے بنایا ہوا حرارتی انجن (Heat engine) ہے جو تابکاری سے چلتا ہے۔ اگر یہ موجودہ رفتار کے مقابلے میں سست رفتار ہوتا تو زمین پر ارضیاتی سرگرمیاں بھی سست روی کا شکار رہتیں۔ شاید لوہا نہ پگھلتا اور اندرونِ زمین انتہائی گہرائیوں میں غرق ہو کر مائع قلب (liquid core) نہ بناتا' جس کی وجہ سے زمین کا مقناطیسی میدان بھی نہ تشکیل پاتا۔ اور اگر یہ تابکار مادّہ زیادہ تیزی سے کام کرتا اور زمین کا حرارتی انجن زیادہ تیز رفتاری سے چل رہا ہوتا تو آتش فشانی عمل سے گیس اور راکھ سورج سے آنے والی روشنی کو زمین تک نہ پہنچنے دیتی۔ کُرۂ ہوائی زیادہ کثیف اور زہریلا بن جاتا اور ہر روز آنے والے زلزلوں اور آتش فشانی عمل سے زمین کی سطح بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی۔''

پہاڑ

پہاڑوں کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے۔ کہیں اپنی عظمت و ہیبت کے اظہار کے لیے' کہیں معجزات کے حوالے سے' کہیں تاریخی واقعات کے حوالے سے' کہیں انسانوں اور جانوروں کے سائے' پانی اور دیگر نعمتوں کے ذکر اور برکات کے حوالے سے اور کہیں پہاڑوں کی ساخت اور اس میں چھپی نعمتوں اور حکمتوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِيَ وَاَنۡهٰرًا ؕ﴾ (الرعد:۳)

''اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے اور اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے

ہیں اور دریا بہادیے ہیں۔‘‘

﴿وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾﴾ (المرسلات)

’’اور اس (زمین) میں بلند و بالا پہاڑ جمائے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا۔‘‘

پہاڑوں کی کئی اقسام ہیں۔ خشکی پر پھیلے ہوئے بڑے بڑے سلسلہ ہائے کوہ کرۂ ارض پر بنی Tectonic plates کے آپس میں ملنے کے مقام پر ایک دوسرے سے ٹکرا کر دباؤ اور اس کی وجہ سے ایک مخصوص قسم کی حرکت (slip sliding movement) پیدا ہونے سے معرض وجود میں آتے ہیں۔ یہ ان رسوبی چٹانوں (sedimentary rocks) پر مشتمل ہوتے ہیں جو سمندر کے کنارے جمی ہوئی مٹی، معدنیات اور نمکیات سے بنتی ہیں۔ ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ اس کی ایک مثال ہے، جو برصغیر پاک و ہند (جو پہلے بہت بڑا براعظم تھا) کی پلیٹ کے براعظم ایشیا کی Tectonic Plate کے ساتھ جڑنے یا ٹکرانے سے وجود میں آیا۔ ان پہاڑوں کی تشکیل سے وہ معدنیات اور نمکیات دوبارہ خشکی پر آجاتے ہیں جو کسی زمانے میں بارشوں اور دریاؤں کے پانی میں بہہ کر سمندر میں چلے گئے تھے۔ یہ اجزاء زمین کی زرخیزی اور یہاں زندگی برقرار رکھنے میں بہت معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ دنیا کے عظیم آتش فشانی سلسلے بھی انہی مقامات پر ہوتے ہیں، جہاں ان جوڑوں کی کمزور جگہوں سے نکل کر یہ آتش فشانی کرتے ہیں۔ سمندروں میں واقع پہاڑی سلسلے Tectonic Plates کے آپس میں ملنے کے مقامات پر آتش فشانی عمل سے وجود میں آتے ہیں۔ خشکی اور سمندر میں آتش فشانی عمل سے مفید معدنی اجزاء زمین میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا آتش فشانی عمل اور زلزلے اگرچہ کچھ تباہی لاتے ہیں مگر اس میں بھی بہت حکمتیں چھپی ہیں اور یہ کاروبارِ ہستی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

زمین کی میخیں

زمین کی اوپری پرتیں (Tectonic Plates) اوپر بیان کردہ طریقے سے بنے پہاڑی سلسلوں کے ذریعے آپس میں مضبوطی سے جڑی ہوئی نہ ہوتیں تو جوش مارتے لاوے پر دھری یہ پلیٹیں ہر وقت بڑے بڑے زلزلوں اور تھرتھراہٹ کی زد میں رہتیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿٦﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿٧﴾﴾ (النبا)

’’کیا ہم نے تمہارے لیے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میخیں!‘‘

یہ بات ماہرین ارضیات کے علم میں ۱۹۶۰ء کے بعد آئی ہے کہ پہاڑ سطح زمین کے نیچے مضبوط گہری جڑیں (roots) رکھتے ہیں جس کی وجہ سے پہاڑ زمین کو ثبات عطا کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥﴾﴾ (النحل)

’’اور زمین پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا تاکہ زمین تم کو لے کر کسی طرف جھکنے نہ پائے اور ندیاں اور راستے بنائے تاکہ تم منزل پر پہنچ سکو۔‘‘

یعنی زمین کا توازن (isostacy) برقرار رکھنے کے لیے اس میں پہاڑوں کو مضبوطی سے جما دیا۔ اگر پہاڑوں نے زمین کو مضبوطی سے جکڑ نہ رکھا ہوتا تو اس کی سطح ڈانواں ڈول رہتی۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو محوری گردش کی وجہ سے زمین کی مرکز گریز قوت پگھلے ہوئے لاوے پر ٹکے قشر ارض کے ٹکروں کو زمین کے باہر بھی اچھال سکتی تھی۔

پہاڑوں کی افادیت

زمین کو ثبات عطا کرنے کے علاوہ بھی پہاڑ بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ پہاڑوں نے ہماری زمین کا ۱/۵ حصہ گھیر رکھا ہے۔ پہاڑ نہ صرف علاقائی درجہ حرارت اور موسموں کو توازن میں رکھتے ہیں بلکہ زمینی درجہ حرارت اور آب و ہوا کو مناسب حدود میں رکھنے، بارشوں کے نظام اور کرۂ ارض پر پانی کے چکّر (water cycle) کو قائم رکھنے میں بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

دنیا کی سات ارب انسانی آبادی میں سے دو ارب لوگ اپنی خوراک، لکڑی، معدنیات وغیرہ اور پن بجلی کے لیے براہ راست پہاڑوں پر انحصار کرتے ہیں، جبکہ دنیا کے ۶۰ تا ۸۰ فیصد لوگوں کی ضرورت کا تازہ اور میٹھا پانی پہاڑوں کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔

پہاڑوں کا وجود زمین کو خوبصورت شکل دینے اور نباتات اور حیوانات میں تنوع کے لیے ناگزیر تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں اور وسیع گلیشیرز کی سفید برفانی چمک خلا سے آنے والی خطرناک شعاعوں کو منعکس کر کے واپس بھیج دیتی ہے۔ ہواؤں کے چلنے اور درجہ حرارت کے کنٹرول کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔ مزید غور و فکر سے پہاڑوں میں چھپی بے شمار نئی حکمتیں اور اسرار منکشف ہو سکتے ہیں۔

زمین جائے قرار کیسے ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیۡنَ الۡبَحۡرَیۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾﴾ (النمل)

’’اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار (مستقر) بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور دو دریاؤں کے درمیان پردہ حائل کر دیا؟ کیا اور کوئی معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔‘‘

﴿وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّکُمۡ وَلِاَنۡعَامِکُمۡ ﴿۳۳﴾﴾ (النّٰزعٰت)

’’اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا۔ اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے۔ سامانِ زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔‘‘

دیگر سیاروں کے برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کو خصوصی طور پر بنی نوع انسان کے لیے تیار کیا ہے‘ اور اس کام میں اتنی حکمتیں‘ اتنی باریکیاں اور اتنے توازن ہیں‘ جن پر غور وفکر کرنے سے آدمی بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی نہایت ہی دانا اور ہمہ مقتدر ہستی کام کر رہی ہے اور یہ سب کچھ اتفاقیہ طور پر خود بخود نہیں بن گیا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کس طرح زمین کو مستقر اور فرش بنایا‘ یہاں ہم مثال کے طور پر چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر کریں گے۔

زمین کا حجم اور کشش ثقل

زمین اگر اپنے موجودہ سائز سے محض پندرہ فٹ بڑی ہوتی تو فضا میں کُرّہ ہوائی گھٹ کر چند میل رہ جاتا۔ فضا میں آکسیجن کی مقدار زمین میں جذب ہو کر کم ہو جاتی اور ہوا میں میتھین اور امونیا گیسیں بہت زیادہ مقدار میں جمع ہو جاتیں۔ یوں اس کثیف کرۂ ہوائی میں زندگی کا وجود مشکل ہو جاتا۔ اسی طرح اگر کُرۂ ارض کی کثافت اور حجم پندرہ فٹ کم ہوتا تو کُرۂ ہوائی میں شامل زندگی کے لیے ضروری گیسوں کو کم کشش ثقل کی وجہ سے خلا میں فرار ہونے کا موقع مل جاتا۔ اسی

طرح اگر زمین کا سائز بڑا ہوتا تو پانی بخارات بن کر اوپر اٹھ کر بادلوں کی شکل اختیار نہ کر سکتا۔ زمین کا سائز کم ہونے کی صورت میں بخارات بن تو جاتے لیکن کم کشش ثقل کی وجہ سے بارش بن کر زمین پر نہ آنے پاتے۔

سورج سے فاصلہ

سورج سے زمین کا فاصلہ اگر موجودہ فاصلے سے زیادہ ہوتا تو یہاں بہت زیادہ سردی ہوتی اور اگر کم ہوتا تو شدید گرمی‘ اور بارش کا چکر جاری نہ رہنے کی بنا پر یہاں زندگی ناممکن ہوتی۔ اسی طرح سورج کا درجہ حرارت اگر ۱۲۰۰۰ سینٹی گریڈ کی بجائے ۶۰۰۰ سینٹی گریڈ ہوتا تو زمین برف کا گولہ ہوتی اور اگر سورج کا درجہ حرارت ۱۸۰۰۰ سینٹی گریڈ ہوتا تو تمام زمین گرمی سے جلنے لگتی۔

محور پر گردش کا دورانیہ

اگر شب وروز کا دورانیہ ۲۴ گھنٹے کی بجائے زیادہ ہوتا تو دن کو شدید گرمی اور رات کو شدید سردی کی وجہ سے زندگی محال ہوتی۔ اگر یہ دورانیہ ۲۴ گھنٹے کی بجائے ۱۰۔۱۲ گھنٹے کا ہوتا تو مختلف علاقوں میں درجہ حرارت کے فرق سے تیز ہواؤں کے طوفان معمول ہوتے اور ہر طرف ابتری کا سماں رہتا۔

زمین کے محور کا جھکاؤ

زمین سورج کے حوالے سے ۲۳٫۵ ڈگری کا زاویہ بناتی ہوئی فضا میں جھکی اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ اسی جھکاؤ کی وجہ سے زمین پر چار موسم ظہور پذیر ہوتے ہیں جو قابل آبادی رقبوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ نباتات اور حیوانات کی گوناگوں اقسام کی وجہ بھی بنتے ہیں۔ اگر زمین اس مخصوص زاویے کی بجائے ۴ یا ۵ ڈگری کم یا زیادہ جھکی ہوتی تو قطبین پر ہمیشہ اندھیرا چھایا رہتا‘ سمندر کے بخارات شمال اور جنوب کی طرف سفر کرتے اور زمین پر یا تو برف کے ڈھیر ہوتے یا صحرائی میدان۔

قشرِ ارض کی موٹائی

گرم پگھلے لاوے کے اوپر موجود ٹھوس پرت (Crust) اگر زیادہ موٹی ہوتی تو بہت زیادہ

آکسیجن زمین میں منتقل ہو جاتی اور آتش فشانی عمل بہت کم ہوتا‘ جس سے ضروری مادّے سطح زمین تک نہ آتے‘ اور اگر یہ پرت پتلی ہوتی تو جگہ جگہ زلزلوں اور آتش فشانی عمل سے زندگی متاثر ہوتی۔

چاند کا زمین سے فاصلہ

اگر یہ فاصلہ زیادہ ہوتا تو زمین کے مدار کے ٹیڑھے پن کے باعث ہونے والی تبدیلیاں موسموں کو غیر مقام پذیر (unstable) کر دیتیں‘ اور اگر یہ فاصلہ کم ہوتا یا چاند کا سائز بڑا ہوتا تو سمندروں‘ کرۂ ہوائی اور گردشی دورانیے پر مدّوجزر کے اثرات بھی بہت شدید ہوتے۔

نوٹ: چاند پر روشنی اور حرارت سورج کی دھوپ کی وجہ سے ہے اور ایسا صرف چاند کے زمین کی طرف والے حصے پر ہوتا ہے‘ جبکہ اس کا دوسرا رخ جو ہمیشہ ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے‘ بے حد سرد اور تاریک ہے۔ چاند پر بادل‘ پانی اور ہوا وغیرہ کا کوئی نشان نہیں۔ اس پر دو ہفتے کا دن ہوتا ہے اور دو ہفتے کی رات۔ اس طرح وہ شدید گرمی اور شدید سردی کی کیفیت سے گزرتا رہتا ہے۔

زمین کا مقناطیسی میدان

یہ زمین کے لیے زبردست اہمیت کا حامل نظام ہے۔ زمین کے گرد یہ مقناطیسی میدان زمین کے قلب (Core) کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ زمینی قلب لوہے اور نکل جیسے بھاری عناصر پر مشتمل ہے۔ اندرونی قلب ٹھوس ہے‘ جبکہ بیرونی حصہ (outer core) مائع ہے۔ قلب کی یہ دونوں تہیں ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل حرکت کرتی رہتی ہیں‘ جس کی وجہ سے زمین کا مقناطیسی میدان پیدا ہوتا ہے۔ سطح زمین سے ہزاروں میل اوپر تک پھیلا ہوا یہ مقناطیسی میدان زمین کو خلا سے آنے والی خطرناک اور ہلاکت خیز شعاعوں سے بچائے رکھتا ہے اور زمین کے اوپر ایک چھتری کی طرح کام کرتا ہے۔ اگر یہ حفاظتی چھت نہ ہوتی تو سورج اور دیگر ستاروں سے آنے والی خطرناک شعاعیں زمینی حیات کو کب کا ختم کر چکی ہوتیں۔ یہ نظام اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سیارے کو محفوظ رکھنے کے لیے خصوصی طور پر تشکیل دیا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲﴾

(الانبیاء)

''اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا‘ مگر یہ ہیں کہ ہماری نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔''

البیڈو (Albedo): سطح زمین پر پہنچنے والی مجموعی روشنی اور اس کی واپس منعکس ہونے والی مقدار کی باہمی نسبت۔ اگر منعکس ہونے والی روشنی کی مقدار زیادہ ہوتی تو حرارت کم ہونے کی بنا پر برفانی عہد قائم رہتا‘ اور اگر روشنی کم منعکس ہوتی تو زمین تک آنے والی حرارت شدید گرین ہاؤس ایفیکٹ (Green House Effect) کی بنا پر زمین میں ہی مقید ہو کر رہ جاتی۔

ہوا میں آکسیجن اور نائٹروجن کا باہمی تناسب: اگر فضا میں آکسیجن زیادہ ہوتی تو ترقی یافتہ زندگی کے لیے تعاملات بہت تیز رفتاری سے ہوتے‘ اور دنیا میں آتشزدگی کے واقعات بے حد بڑھ جاتے۔ اگر آکسیجن موجودہ سطح سے کم ہوتی تو زندگی بہت سست روی سے پروان چڑھتی۔

کُرۂ ہوائی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آبی بخارات کی مقداریں: کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اور آبی بخارات زمین کے درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آبی بخارات زیادہ ہو جائیں تو گرین ہاؤس ایفیکٹ (Green House Effect) کی وجہ سے یہ زمین تک پہنچنے والی گرمی کو واپس فضا میں نہیں جانے دیں گے‘ جس کی وجہ سے زمین کا درجہ حرارت بہت بڑھ جائے گا۔ لیکن اگر ان کی مقدار کم ہو گی تو زمینی حرارت فضا میں واپس جا کر زمین کو سرد کر دے گی۔ قدرت کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اور آبی بخارات کی نہایت کمپیوٹرائزڈ طریقے سے کمی بیشی کر کے زمینی حرارت کو زندگی کے لیے درکار درجہ حرارت کی حدود کے اندر رکھتی ہے۔

فضا میں اوزون کی مقدار: اگر فضا میں اوزون کی مقدار بہت زیادہ ہوتی تو سورج سے آنے والی حرارتی شعاعوں کو روک لینے کی وجہ سے زمین کا درجہ حرارت بہت کم رہتا‘ اور اگر اس کی مقدار موجودہ مقدار سے کم ہوتی تو حرارت اور خطرناک بالائے بنفشی شعاعوں (Ultra Violet Rays) کی بہت زیادہ مقدار زمین تک پہنچ جاتی‘ جن کی موجودگی میں زندگی کی نشوونما ناممکن ہو جاتی۔

زلزلیاتی سرگرمیاں (Seismic Activities): زمین کا حرارتی انجن زلزلیاتی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ اگر یہ سرگرمیاں زیادہ تیز ہوتیں تو زندگی کی بیشتر اقسام نابود ہو جاتیں یا وجود میں ہی نہ آتیں‘ اور اگر یہ سرگرمیاں موجودہ سطح سے کم ہوتیں تو دریائی بہاؤ کے ساتھ سمندری تہہ تک پہنچنے والے اہم غذائی اجزاء بازیافت (recycle) ہو کر چٹانوں میں اٹھان (Tectonic Uplift) کی بدولت پہاڑ بن کر براعظموں میں پھر سے شامل نہ ہوتے۔

(جاری ہے)

❁❁❁

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات: 360، قیمت 500 روپے

حصہ دوم سُورۃ آل عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات 326، قیمت 500 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 500 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
صفحات 394، قیمت 550 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مریم تا سُورۃ السّجدۃ
صفحات 480، قیمت 750 روپے

حصہ ششم سُورۃ الاحزاب تا سُورۃ الحجرات
صفحات 484، قیمت 750 روپے

حصہ ہفتم سُورۃ قٓ تا سُورۃ النّاس
صفحات 560، قیمت 800 روپے

(مکمل سیٹ: 4300 روپے)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور فون (042)35869501-3

شعبہ خط و کتابت کورسز کی تاریخ میں ایک اور سنگِ میل کا اضافہ!!

آن لائن کورس

- کیا آپ جاننا چاہتے ہیں؟ از روئے قرآن ہماری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ نیکی اور تقویٰ اور جہاد اور قتال کی حقیقت کیا ہے؟
- کیا آپ دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟
- کیا آپ قرآن حکیم کی فکری اساس اور بنیادی عملی ہدایات سے روشناس ہونا چاہتے ہیں؟
- کیا آپ نجی مجالس میں اسلام پر ہونے والی تنقید کا مناسب اور مدلل جواب دینے کی اہلیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

تو

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کے مرتب کردہ

"مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب" پر مبنی

"قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس" سے استفادہ کیجیے

یہ کورس (جو ایک عرصہ سے بذریعہ خط و کتابت کروایا جا رہا ہے) شائقین علومِ قرآنی کی دیرینہ خواہش پر

الحمد للہ!

اب یکم ستمبر 2016ء سے آن لائن (ONLINE) بھی شروع ہو چکا ہے

برائے رابطہ: انچارج شعبہ خط و کتابت کورسز، قرآن اکیڈمی، 36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 3-(92-42)35869501 E-mail:distancelearning@tanzeem.org